باسمہ تعالیٰ

تاریخ الامت

جلد دوم

(دوسرا ایڈیشن)

خلافتِ راشدہ

علامہ اسلم جیراجپوری رح

ائع کردہ:- ادارہ طلوع اسلام - ۲۵ - بی. گلبرگ ___ لاہور
ے کا پتہ:- میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ - ۲۷ - بی. شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

اتحاد پریس کیل روڈ لاہور

پیش لفظ

تاریخ الامت کے پہلے حصہ کا دوسرا ایڈیشن جو حضور رسالت مآب کی سیرت طیبہ پر مشتمل ہے اس سے پہلے شائع کیا جا چکا ہے۔ اب اس کا دوسرا حصہ پیش خدمت ہے جس میں خلافت راشدہ کا تذکار جلیلہ آ گیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور جلد ختم ہو گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد کے بقایا حصے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ وبیدہ التوفیق۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵- بی۔ گلبرگ کالونی

فہرست مضامین

تاریخ الامت

(حصہ دوم)

تاریخ الامّت

(حِصّہ دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خِلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے متعلق دو قسم کے فرائض تھے۔

(۱) رسالت کے فرائض یعنی احکام الٰہی کی تبلیغ۔ جس کے لئے آپ منجانب اللہ مامور تھے۔

(۲) امامت کے فرائض۔ یعنی نظامِ ملت کی شیرازہ بندی۔ امت کے تنازعات کا فیصلہ۔ جنگ اور صلح۔ امن کی قائم مقامی وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ مہبط وحی اور ہادی شرع کے ہوتے ہوئے دوسرا کون امام ہوسکتا تھا۔

ان دونوں فرائض میں سے پہلا فرض آپ کی وفات کے ساتھ ختم ہوگیا۔ کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہوجانے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں رہا کہ شرع میں ایک ذرہ

بھی اضافہ کرسکے۔ بجز اس کے کہ انھیں اصول اور قواعد سے جو شریعت کے ہیں مسائل کا استنباط کرے۔ یہ کام علماء اور فقہاء امت کے جو مجتہدین ہیں یا اس کا نام اگر ہم خلافتِ تشریعی رکھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

دوسرا فرض یعنی انتظام و تدبیر مہماتِ ملی بدستور باقی رہا۔ تمدنی حیثیت سے امت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بجائے کسی کو اپنا مرکز قرار دے کہ وہ اس فرض کو ادا کرے۔

یہ مسئلہ خلافت شروع سے لے کر آج تک امت میں جتنا معرکۃ الآراء و مختلف فیہ رہا ہے۔ اتنا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں رہا۔ لہٰذا مختصراً اسکی تاریخ بیان کرنا ضروری ہے۔

تمام بحثوں اور اختلافوں کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے۔

(۱) خلیفہ کس خاندان سے ہو۔

(۲) خلیفہ کے انتخاب کی شکل کیا ہو۔

خاندانِ خلافت

قرآن مجید میں مطلقاً اس کا ذکر نہیں کہ خلیفہ کس خاندان اور قبیلے سے ہو۔ لیکن حدیث میں روایت ہے کہ

اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ

امام قریش میں سے ہوں گے

اسی کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ تمہارے اوپر اگر کوئی ادنیٰ حبشی غلام بھی حکمراں ہو جائے تو تم اس کی فرمانبرداری کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ صحابہ میں دو مختلف الخیال جماعتیں نظر آنے لگیں۔

(۱) خلافت کسی قبیلہ سے مخصوص نہیں ہے۔

(۲) قریش کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کے جتنے قبائل ہیں ہر ایک میں سے خلیفہ ہو سکتا ہے۔

اس دوسرے خیال کے گروہ میں بعض لوگ قریشی ہونے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھنے والے کو مرجح سمجھتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے وقت نسباً آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار حضرت عباسؓ تھے۔ ان کے بعد ابوطالب کے دونوں بیٹے یعنی حضرت علیؓ اور عقیل رضی اللہ عنہما۔

ان میں سے حضرت علیؓ کو یہ امتیاز تھا کہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ نیز حضرت فاطمہ زہراؓ ریحانۂ رسول ان کی زوجیت میں تھیں اور حضرت عباسؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اگر حق وراثت ہوتا تو وہی آنحضرتؐ کے عصبہ ہو سکتے تھے۔

پہلا خیال یعنی عدم تخصیص کی رائے انصار کی تھی جو چاہتے تھے کہ خود اپنے قبائل ہی میں سے کسی کو آنحضرتؐ کا قائم مقام منتخب کریں وہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خدمت کی۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور آنحضرتؐ کی

امداد میں جان و مال اور اولاد کو بے دریغ صرف کیا۔ لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم میں سے خلیفہ ہو۔

دوسرا خیال یعنی خلافت کی تخصیص قریش کے ساتھ جمہور کا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "الائمۃ من قریش" مجمع عام میں فرما دیا جس کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔

قرابت قریبہ کی تخصیص حضرت علیؓ اور ان کے طرفداروں کی رائے تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو غالب سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خود جب اپنی بیعت کے متعلق حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کی تو اس خیال کو بھی ظاہر کیا۔ لیکن چونکہ اس وقت بالاتفاق صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آگیا تھا اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں کی۔

یہ رائے اگرچہ اس وقت تو دب گئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں پھر ابھر آئی۔ جابجا اسلامی مرکزوں میں اس کے محرک پیدا ہو گئے۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ اس نے عوام کو برانگیختہ کرنا شروع کیا کہ یہ کہاں سے روا ہے کہ رسالتمآبؐ کا قریبی رشتہ دار محروم رہے اور دوسرے لوگ خلیفہ بنائے جائیں۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کو اطراف و دیار سے اس خیال کے لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ میں قتل کر ڈالا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیا۔

لیکن ان کو سخت دشواری کا سامنا ہوا۔ کیونکہ امت کا تقریباً نصف حصہ

جو اس تحریک کے اثر سے پاک تھا۔ ملک شام سے آکر ان کے مقابلے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ بہت قتل و خونریزی کے بعد آخر پھر عدم تخصیص قرابت کی رائے غالب آئی۔ اور امیر معاویہ بن ابی سفیان جو بنی ہاشم سے بھی نہ تھے خلیفہ ہوگئے۔

گو قوت اور سیاست کے زور سے خلافت بنی اُمیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اور تخصیص قرابت کی تحریک بظاہر دب گئی۔ لیکن اس جماعت کے لوگوں کے دلوں میں یہ مادہ اس طرح اندر ہی اندر جوش مارتا رہا کہ آئندہ جب کبھی کوئی برق اُمید چمکی تو بھڑک اٹھا۔

حضرت علیؓ کی اولاد سمجھتی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے جو کوئی اس کو ہم سے چھینے وہ ظالم اور غاصب ہے اور ان کے شیعہ اس آرزو میں رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے اس حق کو پا جائیں اس لئے یکے بعد دیگرے ان کو خلفائے وقت کے مقابلے کے لئے اٹھاتے رہتے تھے اور نتیجہ سوائے قتل و عذاب اور تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

مگر اس سختی سے ان کے دلوں میں کینہ کا جوش اور بھڑکتا تھا۔ وہ ان مظالم کو بیان کر کر کے لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے۔ انھوں نے زیادہ تر واقعہ کربلا سے اس میں مدد لی۔ دردانگیز اشعار میں امام حسین اور ان کے قافلہ کی مصیبت، پیاس کی تکلیف اور شدت اور اہل بیت کی گرفتاری کا حال لوگوں کو سنا سنا کر ان کے دلوں میں رقت پیدا کرتے تھے کہ لوگ بنی امیہ سے متنفر ہو کر

ہو کر اس کوشش میں ان کا ساتھ دیں کہ خلافت ان لوگوں کو دلائی جا سکے جو اس کے مستحق ہیں۔

ادھر بنی عباس بھی اپنے کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ کی اولاد کے مقابلے میں ان کو کون خاطر میں لا سکتا تھا۔

جس وقت ابو ہاشم بن محمد بن علی نے وفات پائی اور اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا اس وقت بنی عباس نے کہا کہ وہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنا گئے ہیں اس بنا پر شیعوں کے ایک فرقہ کیسانیہ نے بنی عباس کا ساتھ دے دیا۔ اب بنی عباس نے یہ دعوی بھی کرنا شروع کیا کہ حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ان کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو جو چچا کے بیٹے تھے حق وراثت نہیں پہنچ سکتا۔

بنی عباس نے اس تحریک کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ امت میں پھیلانا شروع کیا۔ ان کے خاص دعاۃ تھے جو بڑی مہارت کے ساتھ مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے تھے۔ آخر میں سب سے بڑھ کر ان کو ابو مسلم خراسانی مل گیا جس نے بنی امیہ کے تخت خلافت کو الٹ کر عباسی خلافت قائم کر دی۔

عباسیوں کے عہد میں حضرت علیؓ کی اولاد پر اس سے بھی زیادہ مصیبت آئی جس قدر ان کے مخالفین بنی امیہ کے عہد میں تھی ان کے درباروں میں کسی شخص کے اوپر اس تہمت کا لگ جانا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف

میلان رکھتا ہے اس کے اتلافِ نفس اور ضبطیٔ جائداد کے لئے کافی ہوتا تھا خاص کر منصور، ہارون اور متوکل کے عہد میں۔ چنانچہ بعض بعض امراء، وزراء اور علماء کے ساتھ عملاً یہی وقوع میں آیا۔

لیکن یہ تمام سختیاں شیعہ کے اس خیال کو مٹا نہ سکیں کہ صرف ائمہ ہی اہل بیت ہی خلافت کے حقدار ہیں اور اس وقت عنانِ خلافت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہ ظالم اور غاصب ہیں۔ چنانچہ بنی امیہ کی طرح وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابلہ میں بھی ان میں سے لوگ اٹھتے رہے اور نتیجہ وہی تباہی و بربادی ہوتا رہا۔

اس تشدد اور مصیبت میں اہل بیت کے بعض افراد کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دور دست ممالک میں نکل جائیں تاکہ عباسیوں کے دسترس سے باہر رہ کر ان کے قابو میں نہ آسکیں۔ چنانچہ پہلے ان کے دعاۃ اور پھر وہ خود افریقہ میں چلے گئے۔ اور وہاں انھوں نے ادریسی سلطنت اور پھر فاطمی خلافت قائم کی۔

دعویدارانِ خلافت کی اس باہمی کشمکش سے نظامِ ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور بجائے اس کے کہ تمام امت کی ایک خلافت ہوتی ایک ہی زمانہ میں تین خلافتیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں۔

(۱) بغداد کی خلافتِ عباسیہ۔

(۲) قاہرہ کی خلافتِ فاطمیہ۔

(۳) اندلس کی خلافتِ امویہ۔

گو افریقہ میں فاطمی خلافت قائم ہو جانے کے بعد حضرت علیؓ کی اولاد جو مشرق میں رہ گئی تھی خاموش ہو گئی۔ اور ان میں سے کوئی خلفاء عباسیہ کے مقابلہ کے لئے نہیں اٹھا لیکن اندرونی طور پردہ اور ان کے شیعہ اس خلافت کے اسی طرح مخالف رہے جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ آخر میں جہاں عباسی خلافت کی تباہی کے بہت سے اسباب ہوئے۔ وہاں ایک سبب یہ ہوا کہ خلیفہ مستعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی نے جو ایک غالی شیعہ تھا۔ ہلاکو کو بغداد میں بلایا اور اس کے آنے میں مدد دی۔

خلافت بغداد کی تباہی کے بعد ایک شخص سید احمد جو اپنے آپ کو عباسی کہتا تھا بھاگ کر مصر چلا گیا۔ وہاں فاطمیوں کی خلافت مٹ چکی تھی۔ سلطان مصر الظاہر بائرس بندقداری نے اسی کو خلیفہ بنا کر اپنے لئے اس سے حکومت کا عہد لے لیا۔

ایک مدت تک مصر میں انھیں بقایائے بنی عباس میں سے وظیفہ خوار خلفاء ہوتے رہے جن کا عزل و نصب خود وہاں کے فرمانرواؤں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

۹۲۳ھ میں جب سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کیا تو وہاں کی حکومت کے

ساتھ خلافت بھی عثمانیوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

شکلِ انتخاب قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب کی کوئی شکل صریحی طور پر نہیں بتائی گئی ہے۔ بعض عام احکام ہیں جو خلافت اور غیر خلافت دونوں کو شامل ہیں۔

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

وہ باہمی مشورہ سے اپنا کام کرتے ہیں

حدیثوں میں بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کا نظام خود امت پر چھوڑ دیا ہے کہ زمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے اپنے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اس کے مطابق عمل درآمد کرے ورنہ نماز اور وضو وغیرہ دیگر مسائل کی طرح اس کی بھی تصریح کر دی ہوتی۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ امت نے اس مسئلہ انتخاب میں کیا رویہ اختیار کیا۔

(۱) پہلا طریقہ انتخاب وہ تھا جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے موقع پر پیش آیا کہ رؤسائے امت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور بحث و تقریر دلائل کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن یہاں صورت یہ تھی کہ سوائے ابن عبادہ کے جو رئیس الانصار تھے قریش میں سے کوئی خلافت کا دعویدار نہ تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی ذات صحابہ میں اس قدر ممتاز تھی کہ ان کی فضیلت کے سب لوگ معترف تھے چنانچہ باوجود اس کے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ عمر بن خطابؓ یا

یا ابو عبیدہؓ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ لیکن خود حضرت عمرؓ اور ان کے بعد اور سب لوگوں نے انھیں کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) دوسرا طریقہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے مشورہ لے کر ان کی ولی عہدی کا فرمان لکھوا دیا۔

(۳) تیسرا طریقہ وہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے موقع پر عمل میں آیا یعنی جب حضرت عمرؓ کو اپنی موت کا احساس ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ اگر میں امت کو بلا خلیفہ کے چھوڑ جاتا ہوں تو ممکن ہے کہ اس میں اختلاف پیدا ہو جائے اس لئے چاہا کہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیں۔ مگر ان کی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ اس کو خلیفہ بنا کر ان کا دل مطمئن ہو جائے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی امور امت کی ذمہ داری اپنے سر لیں۔ اس لئے بڑے بڑے چھ صحابہ کو جو ان کی رائے میں خلافت کے مستحق تھے نامزد کیا اور یہ حکم دیا کہ میری موت کے بعد یہ لوگ جمع ہو کر تین دن کے اندر اندر خود اپنے میں کسی کو خلیفہ بنا لیں۔

اس انتخاب سے غرض یہ تھی کہ جو لوگ خلافت کے دعویدار ہو سکتے ہیں وہ سب ایک رائے پر متفق ہو جائیں تاکہ امت میں نزاع نہ پیدا ہو۔

ان تینوں طریقوں میں سے پہلے طریقے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حق انتخاب کن لوگوں کو حاصل ہے۔ ساری امت کو یا مخصوص افراد کو۔ پھر وہ مخصوص افراد کون

لوگ ہیں۔ عمال سلطنت امراء لشکر یا رؤسا سلطنت؟ اس لئے خلافت کے دعویدار کو تاویل کا بہت موقع مل سکتا ہے؟

دوسرے طریقہ میں اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ خلیفہ ایسے ہی شخص کو منتخب کرے جو واقعی خلافت کے قابل ہو۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کی طرح ہر ایک خلیفہ کو ولی عہدی کے لیے عمرؓ تو نہیں مل سکتے۔

تیسرے طریقہ میں تقریباً دوسرے ہی طریقہ کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے میں ایک شخص معین ہے۔ دوسرے میں چند محدود افراد میں سے ایک شخص غیر معین۔

چنانچہ جب حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اختلاف رونما ہوا ان کے نزدیک اہل مدینہ کی بیعت ان کی خلافت کے انعقاد کے لئے کافی تھی۔ لیکن امیر معاویہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا وہ تمام امت خاص کر اعیانِ قریش و امراء لشکر و والیان صوبجات کی شرکت اس میں ضروری سمجھتے تھے۔

آخرکار دونوں قوتیں صفین کے میدان میں آکر ٹکرائیں اور جب لڑائی نے فریقین کو خستہ کر دیا تو ہر ایک نے اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ کا تصفیہ قرآن کی رُو سے کریں۔

اس کا نتیجہ امت کے حق میں اور برا ہوا کیونکہ اس سے ایک تیسرا گروہ خوارج کا پیدا ہو گیا جو سابقہ دونوں جماعتوں کے خلاف تھا اس کا علی الاعلان یہ کہنا کہ

لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ ۔ اور خود اپنی الگ ایک جماعت بنالی اور اپنے تمام مخالفین کو کفار قرار دے کر ان کی جان و مال کو حلال سمجھنے لگے اور ایک جہادِ عام شروع کر دیا۔

چونکہ انھوں نے اپنے لئے خاص اصول اور حدود مقرر نہیں کئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بھی باہم مخالفتیں پیدا ہوئیں اور ان کے متعدد فرقے بن گئے۔ امت اپنی قوت کے ساتھ ان کی شورش کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئی اور آخر بڑی بڑی خونریز جنگوں کے بعد بلا اس کے کہ ان سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا یا وہ خود کوئی نفع اٹھاتے تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے انھیں سے بنی امیہ کی خلافت شروع ہوئی۔ بنی امیہ نے ولی عہدی کا وہی دستور رکھا جس پر حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا جو نہ ان کے ہم قبیلہ تھے اور نہ رشتہ دار اور بنی امیہ اپنے قرابت مندوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایک کے بجائے یکے بعد دیگرے دو دو ولی عہد مقرر کر دیتے تھے جو اور بھی فساد کا موجب ہوتا تھا۔

اس طرزِ انتخاب سے خلافت کی جمہوریت مٹ گئی اور وہ بھی ایک قسم کی خاندانی سلطنت ہو گئی۔

بنی امیہ کے بعد بنی عباس میں ولی عہدی کا دستور یہی رہا۔ لیکن معتصم

کے بو رسے یہ بھی مفقود ہو گیا کیونکہ خلیفہ اپنے عجمی غلاموں کے ہاتھوں میں اس قدر بے بس ہوتا تھا کہ اکثر تخت خلافت سے قبر کے تختے کے نیچے پہنچا دیا جاتا تھا اور پھر وہی نام کے اہل حل وعقد جمع ہو کر جس کو چاہتے تھے خلیفہ بنا لیتے تھے۔

معتمد کے عہد میں یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ خلیفہ کو ادنیٰ ادنیٰ ضروریات کی چیزیں بھی مشکل سے میسر ہوتی تھیں اور متقی اور مستکفی کے عہد میں جب آل بویہ کا تسلط ہو گیا تو خلیفہ عباسی صرف ایک دینی رئیس رہ گیا۔ اس کی ملکی اور سیاسی حیثیت بجز اس کے کہ خطبوں میں اس کا نام پکارا جاتا تھا باقی نہیں رہی تھی۔ اگر جمہور کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے تو یہ نام کی خلافت بھی بنی عباس کے ہاتھوں میں باقی نہ رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد سلطان مصر نے خود خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ بغداد سے بھاگ کر جو شخص اس کے ہاں گیا تھا اسی کو عباسی خاندان کا ثابت کر کے خلیفہ بنا لیا۔ تاکہ خلافت کے سایہ میں اس کی سلطنت کو مذہبی اور مرکزی عظمت حاصل ہو جائے۔

سنہ ۹۲۳ھ میں فتح مصر کے بعد خلافت عثمانی خاندان میں آ گئی۔ اگرچہ آل عثمان میں نظام ولی عہدی یہ تھا کہ خاندان کا بڑا شخص تخت نشین ہو۔ لیکن پھر بھی اکثر تخت نشینی میں شورشیں ہوتی رہی ہیں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ سلطان جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوا ہے کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرا دے۔ تاکہ

سلطنت کا کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے۔

شیعہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ امامت صرف حضرت علیؓ کی اولاد کا حق ہے۔ ان میں سے فرقہ اثنا عشریہ امام کے بڑے بیٹے کو امام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں اماموں کی ترتیب اسی طرح پر ہے۔ دوسرے فرقے ان سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہاں ہم کو ان اختلافات کا بیان کرنا مدنظر نہیں ہے۔ صرف یہ کہنا ہے کہ یہ جماعت بھی کوئی متفقہ شکل اسکی متعین نہ کر سکی۔

متکلمین نے عہد عباسی میں مسئلہ خلافت و امامت کو عقائد میں داخل کیا اور اس پر بحثیں شروع کیں۔ بیدار بحث مندرجہ ذیل امور ہیں۔

(۱) کیا امام کا نصب کرنا امت کا فرض ہے؟ اور پھر یہ ندلیتا ہے یا عقلاً ہر دو طریق پر۔ پہلا مذہب جمہور کا ہے۔ دوسرا زیدیہ اور اکثر معتزلہ کا۔ تیسرا بعض معتزلہ کا۔

(۲) یا خود اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ امام کو نصب فرمائے۔

یہ مذہب امامیہ اور اسمٰعیلیہ کا ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ امامیہ کے نزدیک امام کی ضرورت اس لئے ہے کہ قوانین شرع کی حفاظت کرے اور اسماعیلیہ کے عقیدہ میں وہ ذات و صفاتِ الٰہی کا معرف ہوتا ہے۔

(۳) امام کی مطلق ضرورت نہیں۔

یہ مذہب خوارج کا ہے لیکن ہشام اور اس کے ہم خیال یہ کہتے ہیں کہ

کے وقت امام کی ضرورت ہے۔ بے امنی کے زمانہ میں نہیں۔ اور اصم اور اس کے ہم رائے اس کے برعکس فتنہ کے زمانہ میں امام کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں۔ امن کی حالت میں اس کا وجود غیر ضروری ہے۔

(۴) امام کے لئے کیا شرائط ہیں۔

بعض شرطوں میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن بعض مختلف فیہ ہیں۔ مثلاً جمہور کے نزدیک قرشی ہونا شرط ہے۔ شیعہ کے نزدیک ہاشمی ہونا ضروری ہے۔ اور نیز یہ کہ [redacted] دین کے کل مسائل کا علم رکھتا ہو۔ اور بعض شیعہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی معجزہ کا ظہور ہو۔

(۵) امامت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے۔

شیعہ کے نزدیک آنحضرت یا امام موجود کی نص صریح ہونی چاہیئے۔ جمہور کے نزدیک اہل حل وعقد کا اجماع بعضوں کے نزدیک صرف دو مسلمانوں کا اتفاق کافی ہے۔

(۶) کیا ایک وقت میں کئی امام ہو سکتے ہیں۔

(۷) امام برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے؟ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ۔

(۸) آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟

(۹) کیا فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔

یہ بحثیں مدرسہ کی بحثیں تھیں۔ جن میں اگرچہ علمی لحاظ سے بعض باتیں لطیف تھیں لیکن عملی حیثیت سے بیکار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ ہر فرقے نے اس کو اپنے عقائد

کا ایک مسئلہ قرار دیا۔ حالانکہ یہ سیاست ملیہ کا مسئلہ تھا جو جمہوری ہے اور فرقہ بندی کی دسترس سے بالاتر۔

قرن صحابہ کا عملدرآمد جو امت کے لئے اصلی نمونہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے جو بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خلافت خاندانی نہیں جمہوری ہے اور یہ کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کا مشورہ ضروری ہے۔

خلافت راشدہ میں خلفاء اربعہ مختلف خاندان کے تھے اور گو ان کے انتخاب کی شکلیں جداگانہ تھیں لیکن ہر ایک میں شوریٰ جو جمہوریت کی اصل روح ہے موجود تھی اور ان کی حکومت کا طریقہ بھی جمہوری تھا۔ اسی خلافت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت موجود ہے۔

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَالِكَ۔

میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر سلطنت ہو جائے گی۔

قبیلہ قریش کی تخصیص جو حضرت ابوبکرؓ نے بیان کی تھی وہ صرف بطور ایک پیشگوئی کے تھی چنانچہ انھوں نے خود اس مجمع میں اس تخصیص کا سبب یہ ظاہر کیا کہ انصار میں سے اگر قبیلہ اوس کا کوئی شخص خلیفہ ہو جائے گا تو خزرج رشک کریں گے اور خزرج کا ہو جائے گا تو اوس اور اہل عرب بجز قریش کے اور کسی کی خلافت کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اس توجیہ سے علامہ ابن خلدون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خلافت کے

قریش کی تخصیص کا اصلی راز یہی تھا کہ وہ عرب کے تمام قبائل میں محترم اور قوی تر تھے اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہوگا تو بوجہ اس کی عظمت اور اس کے حامیوں کی قوت اور شوکت کے کوئی شخص اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔ اسی بنا پر وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا زمانہ آجائے کہ اس میں قریش کی عظمت اور عصبیت باقی نہ رہے اور وہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور اس پر جو حملے ہوں اس کی مدافعت نہ کر سکے تو اس زمانہ میں ممکن ہوگا کہ خلافت غیر قریش میں جو طاقت اور شوکت رکھتے ہوں منتقل کر دی جائے کیونکہ امور شریعت اسباب اور مصالح پر مبنی ہیں اور ان کا لحاظ رکھنا ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

لیکن علامہ موصوف نے اسلامی جمہوریت کے صحیح مفہوم کو پیش نظر نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کے لئے کسی قومی اور خاندانی عصبیت کی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ تمام امت اس کی قوم اور اس کی حامی ہوتی ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ غلام بھی تمہارا امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب ولی عہد مقرر کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آج ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو اپنا جانشین بنا دیتا۔ حالانکہ غلاموں کا کون سا خاندان ہوتا ہے اور کہاں عصبیت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظمؓ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

اسلام نے ہر قسم کے نسبی مفاخر کو مٹا دیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف

فرمادیا ہے کہ بزرگی کا مدار نسب پر نہیں ہے بلکہ تقویٰ پر ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خلافت کی تخصیص کسی ایک قبیلے سے اسلام جائز رکھے اور جس بت کو وہ توڑنے کے لئے آیا اسی بت کو پھر نصب کرے قریش کی خلافت کی جو روایات ہیں ان میں صرف ان خلفاء کی پیشنگوئی ہے جو قریش میں ہونے والے تھے نہ کہ حکم اور خلافت اسلامیہ قطعاً جمہوری ہے۔ کیونکہ کل مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سقیفہ بنی ساعدہ مدینے کے انصار دو شعبوں میں منقسم تھے۔ اوس اور خزرج۔ ان میں سے خزرج کی تعداد زیادہ تھی۔ ان کے رئیس سعد بن عبادہ تھے جن کا مکان مدینہ کے بازار کے قریب تھا۔ اسی کے متصل نشست کے لئے ایک سائبان بنا ہوا تھا جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کہتے ہیں۔

جب سرور عالم کی وفات کا اعلان ہوا تو روسائے انصار اسی سقیفہ میں جمع ہوئے وہ چاہتے تھے کہ اپنے قبائل میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ ان کا رجحان طبع سعد بن عبادہ کے انتخاب کی طرف تھا۔

حضرت سعدؓ نے اس مجمع میں انصار کی خدمت اسلام بیان کرکے کہا کہ خلافت رسول بجز انصار کے اور کسی کا حق نہیں ہے ان کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ مجمع سے آواز آئی کہ تم نے جو کچھ کہا درست اور بجا ہے۔

ایک انصاریؓ نے کہا کہ اگر مہاجرین اس کو نہ مانیں اور کہیں کہ ہم پیغمبر کے ہم قبیلہ

اور ہم خاندان ہیں تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ اس پر ایک دوسرے انصاری نے کہا کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں گے تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور اس سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔ حضرت سعدؓ نے اسے سنکر کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے یہ لوگ اسی قیل وقال میں تھے کہ یہ خبر مہاجرین میں پہنچی، وہ لوگ عجلت کے ساتھ سقیفہ میں آگئے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کچھ کہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کو روک دیا اور خود وقار اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ پہلے مہاجرین کی تاریخ اور ان کی فضیلت بیان کی اور جو جو مصائب اور تکالیف راہِ دین میں ان کو برداشت کرنی پڑیں ان کا ذکر کیا۔ پھر انصار کے مآثر اور خدماتِ اسلام کو گنایا۔ اور ان کا ایک ایک کارنامہ پیش کر کے ان کی مدح وثنا کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ

الائمۃ من قریش

امام قریش سے ہوں گے

ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔ بلا تمہارے مشورے کے معاملات طے نہیں کیے جائیں گے جب ان کی تقریر ختم ہو چکی تو انصار میں سے حباب بن منذر خزرجی کھڑے ہوئے اور کہا کہ

اے جماعتِ انصار! خلافت کو تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ یہ سب لوگ تمہاری حمایت میں ہیں۔ کسی کو یہ جرأت نہیں کہ تمہاری مخالفت کر سکے۔

تم اہل ثروت اور جنگ آور ہو۔ تمہاری تعداد اور قوت زیادہ ہے سب
کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے
رائے کمزور ہو جائے گی اور مقصد میں کامیاب نہ ہو سکو گے اگر مہاجرین کو انکار
ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھلا ایک ساتھ دو امیر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور
گفتگو کرنے کے بعد حباب پھر کھڑے ہوئے اور انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ۔

ان لوگوں کی باتیں تم ہرگز نہ مانو۔ ورنہ یہ امامت تم سے چھین لیں گے۔

اس پر حضرت عمرؓ اور حبابؓ میں سخت کلامی ہونے لگی۔ حضرت ابو عبیدہ
بن الجراحؓ نے کہا کہ۔

یا معشر الانصار! سب سے پہلے دین اسلام کی نصرت تم نے کی اب اس کی
تخریب میں تم کو سبقت نہیں کرنی چاہیئے۔

یہ سنکر بشیر بن سعد انصاری جو خزرج کے قبیلہ بنی زید بن مالک میں سے تھے
کھڑے ہوئے اور کہا کہ۔

اے انصار! ہم نے جو مشرکین سے جہاد کرنے کی فضیلت اور دین میں سبقت
حاصل کی وہ نبی کی اطاعت اور رضائے رب کے لئے تھی۔ یہ مناسب نہیں کہ
اس کے سبب سے لوگوں پر ہم اپنا حق جتائیں۔ اور متاع دنیا کے خواہاں ہوں
ہم کو ان کا اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قریش میں سے تھے۔ ان کی خلافت کی زیادہ مستحق خود
ان کی قوم ہو سکتی ہے اس لئے تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور
مخالفت سے باز آجاؤ۔

اس تقریر کے ختم ہو جانے پر انصار خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے جس کو تم لوگ پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ ان دونوں حضرات نے کہا کہ :-

آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غار میں رسول اللہ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے۔ اور نماز وہ شے ہے جو امورِ دین میں سب سے افضل ہے ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ بڑھے اور صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر ابو عبیدہ اور بشیر بن سعد نے۔ جب یہ خبر باہر پہنچی تو لوگ دوڑے اور بیعت کی۔ حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ خلافت کی اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت علیؓ نے اس کے بعد بھی چھ ماہ تک بیعت نہیں جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے مکان پر بلایا اور کہا کہ آپ کی فضیلت اور استحقاقِ خلافت سے ہم کو انکار نہیں ہے لیکن بوجہ رسول اللہؐ کی قرابت کے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک مجھے اپنے قرابت مندوں کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہے اس کے بعد حضرت علیؓ نے مسجد میں آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

خطبۂ خلافت سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:۔

لوگو! قسم ہے اللہ کی نہ میں امامت کا کبھی خواہاں تھا نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی۔ اور نہ میں نے کبھی پنہاں یا آشکارا اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی۔ لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ اس لئے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا ورنہ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا۔ اور بلا امداد الٰہی اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ کاش آج میرے بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر اچھا کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرو۔

تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے

یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں۔ جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر ان کے خلاف چلوں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔

ترجمہ ابوبکرؓ ان کا نام جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو بدل کر عبداللہ کردیا۔ صدیق اور عتیق لقب ہیں اور ابوبکر کنیت ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ باپ کا نام ابوقحافہ تھا جو قریش کی شاخ بنی تیم میں سے تھے ان کی والدہ ام الخیر بھی بنی تیم میں سے تھیں یہ دونوں مسلمان ہوئے اور یہ حضرت ابوبکر کی خصوصیت ہے کہ وہ اور ان کی والد ابوقحافہ اور بیٹے عبدالرحمٰن اور پوتے محمد بن عبدالرحمٰن چار پشتیں صحابی ہیں۔

ان کی ولادت آنحضرت کے دو یا ڈھائی سال بعد ہوئی۔ نوجوانی ہی کے زمانہ سے ان کے اخلاق پسندیدہ اور خصائل شریفانہ تھے۔ صاحب دولت تھے غریبوں اور محتاجوں کا بار اٹھاتے تھے اور قریش میں محبوب و ہر دلعزیز تھے۔

ابتدا ہی سے آنحضرتؐ کے ساتھی اور مصاحب تھے اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تو سب سے پہلے جس شخص نے اس کو قبول کیا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام کو پیش کیا اس میں اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور دیکھی۔ بجز ابوبکر کے کہ انھوں نے بلا تردد اس کو تسلیم کرلیا۔

ایمان لانے کے بعد دعوت اسلام میں آنحضرت کو ان سے عظیم الشان مدد ملی۔ اور اکثر بڑے بڑے صحابہ جن کے کارنامے تاریخ اسلام میں بہت نمایاں ہیں انھیں کے اثر سے مسلمان ہوئے۔

انھوں نے دین پاک کی حمایت، اللہ کی رضا جوئی اور نبی کی امداد میں اپنا بہت سا مال صرف کر دیا۔ جو غلام مسلمان ہو جاتے تھے اور ان کے سنگدل آقا ان پر سختیاں کرتے تھے۔ ان میں سے اکثروں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

جب مشرکین مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ کو جانے لگے تو حضرت ابو بکر بھی روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے روکا اور کہا کہ اگر تمہاری قوم دشمن ہے تو میں تم کو پناہ دیتا ہوں۔ تم مکہ کو لوٹ چلو۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آیا۔ قریش کے سرداروں کو ملامت کی اور کہا ایسا شخص جو محتاجوں کو کھلاتا اور غریبوں کی مہمان نوازی اور مصیبت زدوں کی دستگیری کرتا ہے اس کو تم لوگ ستاتے ہو اور گھر سے نکالتے ہو؟ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور وہ اپنے گھر میں رہیں گے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی بات مان لی لیکن یہ کہا کہ یہ اپنے گھر میں رہیں اور مخفی طور پر جس طرح چاہیں عبادت کریں۔

کچھ دنوں تک اسی شرط کے ساتھ رہے اور جب اعلان کئے بغیر چارہ نہ رہا

توجاکر ابن الدغنہ کو اس کی پناہ واپس کی۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میرے لئے کافی ہے۔ میں راضی ہوں جو مصیبت پڑے گی اس کو برداشت کروں گا۔ اس کے بعد مکہ میں سکونت پذیر رہے۔ جب سرور عالم کو ہجرت کا حکم ملا۔ اور مدینہ کو چلے تو یہی رفیق راہ ہوئے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ صحابہ میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد تمام مہمات میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے کسی میں ساتھ نہیں چھوڑا جنگ تبوک میں صاحب علم یہی تھے ۹ھ میں آنحضرتؐ نے انھیں کو امیر الحاج بنایا اور جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو بجائے اپنے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

اعمالِ خلافت

بڑے آدمیوں میں بعض بعض خاص صفتیں ہوتی ہیں جو ان کے تمام کاموں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اور جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی صورت ان مخصوص صفات کو لئے ہوئے ذہن میں آتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی دو صفتیں خاص طور پر نمایاں ہیں پختگی ارادہ اور رقت قلب۔

پختگی عزم کے یہ معنی ہیں کہ جو مہم پیش آئے اس میں جہاں تک ہو سکے غور وفکر اور تامل کرے اور دوسرے ارباب عقل سے رائے ومشورہ لے اور جب اس کا راستہ متعین ہو جائے تو اس پر چل پڑے۔ پھر کوئی چیز اس کے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آئے تو وہ بھی سد راہ نہ بن سکے۔ یہی

حالت حضرت ابوبکرؓ کی تھی۔

رقت اس کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل درد سے اثر پذیر ہو یہاں تک کہ دوسروں کے مصائب کو بھی دیکھے تو قلب غمگین اور آنکھ پُرنم ہو جائے۔

یہ دونوں خلق باہم ایک دوسرے کے مصلح ہیں۔ اور بالخصوص مدبرانِ امت میں ان دونوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ رقت قلب اثر کے لحاظ سے اس کو دردمندی کے ساتھ متفکر اور متردد کرتی ہے جس کی وجہ سے معاملہ کے ہر پہلو پر اس سے غائر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور صدق وعزیمت کی وجہ سے پھر اس کے قلب میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ صحیح رُخ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

جیش اُسامہؓ حضرت ابوبکرؓ کی پختگی عزم کا نمایاں ظہور جیش اسامہ کے معاملہ میں ہوا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جنگ موتہ میں جو ۸ھ میں رومیوں سے ہوئی تھی اور جس میں زید بن حارثہ وغیرہ شہید ہوئے تھے اس کے انتقام کے لئے آنحضرتؐ نے مرض الموت سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا اور اس کا سردار اُسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔

جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے یہ رک گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا اس کے بعد ہی سے قبائل عرب کے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نومسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے یہ فوج باہر نہ بھیجی جائے بلکہ یہیں

دکھی جلئے کہ بروقت ضرورت کام دے انھوں نے نہایت سختی سے انکار فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کے مشوروں کو مان لیا ہوتا اور اس فوج کو نہ بھیجتے تو حکم رسول کی مخالفت کا پہلا تخم امت میں پڑجاتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھیجنے کا قطعی حکم دے دیا تھا اور انتقال سے پہلے بار بار زبانِ مبارک سے اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

صحابہ کرام نے ہرچند ان سے کہا کہ اس لشکر میں مسلمانوں کے منتخب اشخاص موجود ہیں اور قبائلِ عرب کی حالت نظر کے سامنے ہے ایسی صورت میں جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں لیکن انھوں نے فرمایا۔

قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے مجھ کو پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا اور خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہ جائے پھر بھی اس کو روانہ کیے بغیر نہ رہوں گا۔

حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے جو آنحضرتؐ کے غلام مشہور تھے۔ علاوہ بریں نوعمر آدمی تھے ان کا سن اس وقت سترہ سال کا تھا۔ انصار کی طرف سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ اگر آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی شریف النسل اور سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر فرمائیے۔ یہ سنکر حضرت ابو بکرؓ نے غصہ

سے بے تاب ہو گئے۔ اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو سردار مقرر کر دیا ہے میں ان کو برطرف کر دوں؟

اس کے بعد خود اس فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ گھوڑے پر تھے۔ خلیفہ ان کے رکاب میں پیدل چلتے تھے اور ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھامے ہوئے تھے۔ اسامہ نے کہا یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں۔ فرمایا کہ نہ میں خود سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔

یہ تعظیم اصل میں مسلمانوں کے دل سے زمانہ جاہلیت کے اس شائبہ کو دور کرنے کی غرض سے بھی جو ان میں رہ گیا تھا کہ وہ نو عمروں اور غلام زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔

اس فوج میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی مدد کے لئے مدینہ میں ان کا رہنا از بس ضروری تھا اس لئے خود ابوبکرؓ نے اسامہؓ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو عمر کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔ اسامہ نے اجازت دیدی۔ یہ بھی امت کے لئے جمہوریت کا ایک سبق تھا۔ کیونکہ اسامہ رسول اللہؐ کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اس امر کو ان کے احترام کے منافی سمجھا کہ بلا ان کی منظوری کے استبداداً خود حضرت عمرؓ کو روک لیں۔ وداع کرتے وقت حسب ذیل وصیت فرمائی:۔

لوگو! ذرا ٹھیر جاؤ! میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کو یاد رکھنا۔ (۱) خیانت نہ کرنا۔ نہ مال چھپانا۔ بیوفائی سے بچنا۔ کسی کے اعضاء نہ کاٹنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو مت قتل کرنا۔ کھجوروں اور پھل لانے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ بجز کھانے کے اور کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔ تم کو وہ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لئے بیٹھے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ایسے لوگوں پر بھی تمہارا گذر ہوگا جو برتنوں میں قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے لائیں گے۔ تم جب اس میں سے کھانا تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جن کے سروں میں شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے ان کو تلواروں سے کاٹ ڈالنا۔ اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔

یہ لشکر یکم ربیع الثانی سنہ ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا۔ شام کے متصل پہنچ کر بلاد قضاعہ کو تخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

اس فوج کا اس وقت بھیجنا نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر

مسلمانوں کو قوت حاصل نہ ہوتی تو غسانیوں کے مقابلے کے لئے ایسے وقت میں فوج کس طرح بھیج سکتے۔

فتنۂ ارتداد نجد او ریمن کے باشندے اور بعض دیگر صحرا نشین قبائل اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کے دلوں میں دین ابھی راسخ نہیں ہوا تھا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بارے میں فرمایا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ فرائض اسلامی سے اب ہم کو آزادی حاصل ہو گئی ان کے اوپر سب سے گراں جو چیز تھی وہ زکوٰۃ تھی چنانچہ انھوں نے اس کو روک لیا۔

اس کے علاوہ چند مدعیانِ نبوت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت سے نو مسلم قبائل ان کے اثر میں آ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عزم صادق کا اس موقع پر بھی ظہور ہوا انھوں نے ان قبائل سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ یعنی جب ہر طرف سے قبیلوں کے مرتد ہونے

کی خبریں آنی شروع ہوئیں اور بعض قبائل کے فرستادے مدینہ میں پہنچ گئے اور خلیفہ سے انھوں نے درخواست کی کہ ہم سے نماز پڑھوالو مگر زکوٰۃ معاف کردو تو انھوں نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب نے رائے دی کہ مصلحت وقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔ حضرت عمرؓ کا بھی مشورہ یہی تھا اس پر صدیق اکبرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا:۔

> اے عمر! جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر خوار ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دین کامل ہو چکا۔ کیا میرے جیتے ہوئے اس میں کمی کی جا سکتی ہے۔ اللہ کی قسم اگر زکوٰۃ کا ایک جانور بھی کوئی قبیلہ روکے گا تو میں اس سے ضرور جہاد کروں گا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ کلام سنکر میرے اوپر منکشف ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے کھول دیا ہے۔ آخر قبائل کے جو قاصد آئے تھے وہ ناکام ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ جیش اسامہ کے واپسی کے منتظر تھے۔ جب یہ فوج واپس آگئی تو اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے ان کی فوج کو بھی ان کے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور خود صحابہ کی جمعیت لے کر مرتدین سے مقابلہ کے لئے نکلے لوگوں نے کہا کہ آپ مدینہ ہی میں قیام فرمائیں۔ اور بہ نفس نفیس دشمنوں کے مقابلے کے لئے نہ نکلیں کیونکہ اگر آپ کی ذات کو کوئی صدمہ پہنچ جائے گا تو نظام امت ابتر ہو جائے گا۔ اپنی طرف سے

کسی کو امیر بنا کر بھیجئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

پہلا پڑاؤ مقام ابرق میں ڈالا وہاں بنی عبس سے مقابلہ اور معتا مگر ہوا وہ شکست کھا کر بھاگ گئے پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کی چراگاہیں مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دیں وہاں سے مدینہ میں واپس آئے۔

اسامہؓ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو گئے تھے ان کو ساتھ لے کر پھر مدینے سے نکلے اور مقام ذوالقصہ میں جو مدینہ سے نجد کی جانب بارہ میل فاصلہ پر ہے قیام فرمایا وہاں گیارہ جھنڈے گیارہ امیروں کو دے کر فوج کے دستے ان میں تقسیم کر دیئے اور مختلف اطراف میں ان کو روانہ کیا۔ تفصیل یہ ہے:۔

(۱) خالد بن ولید۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کی طرف مقام بزاخہ میں اور جب اس کی مہم سے فارغ ہو جائیں تو مقام بطاح میں مالک بن نویرہ پر بڑھیں۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل۔ مسیلمہ کذاب کی طرف۔

(۳) شرجیل بن حسنہ۔ عکرمہ کی امداد کے لئے۔

(۴) مہاجر بن ابی امیہ۔ انبار کی امداد کے لئے۔

(۵) حذیفہ بن محصن۔ عمان میں اہل دبار کی طرف۔

(۶) عرفجہ بن ہرثمہ۔ اہل مہرہ کی طرف۔ ان کو اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ساتھ رہیں جس کے رقبہ حکومت میں دونوں ہوں وہی امیر ہے۔

(۷) سوید بن مقرن۔ تہامۂ یمن

(۸) علاء بن الحضرمی۔ بحرین

(۹) طریفہ بن حاجز۔ بنی سلیم اور ان کے ساتھی جو بنی ہوازن میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے۔

(۱۰) عمرو بن عاص۔ بنی قضاعہ کی طرف۔

(۱۱) خالد بن سعید۔ مضافات شام۔

اس کے بعد مرتدین عرب کے نام ایک اعلان عام بھیجا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مجھ کو تم لوگوں میں سے ان کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ انھوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا اور شیطان کے فریب میں آ گئے۔ حالانکہ وہ انسان کا دشمن ہے۔ میں تمہارے پاس فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ وہ تم کو اللہ کی طرف بلائے گا۔ جو اس کی بات مان لے گا اور نیک کام کرے گا تو اس کو نہ قتل کریگا نہ اس سے لڑے گا۔ اور جو باز نہ آئے گا اس کے اوپر تلوار اٹھائے گا اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا۔

میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ میرے اس نوشتہ کو تمہارے مجمع عام میں سنائے اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ

اذان پکاریں ان سے ہاتھ روک لیا جائے۔

امراء فوج کو بھی اسی مضمون کے مطابق ہدایتیں کیں اور پھر ان کو روانہ فرمایا۔

۳۔ طلیحہ:۔ طلیحہ بنی اسد کا سردار تھا۔ جب اس نے سرور عالم کی بیماری کی خبر سنی تو اس کو خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی نبوت کا دعویٰ کر کے اپنا نام ملک میں روشن کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ قبیلہ بنی اسد اس کے ساتھ ہو گیا۔ اور چونکہ بنی طے بھی ان کے حلیف تھے اس لئے انھوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنی غطفان کے لوگ بھی بجز چند خواص کے اس شورش میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پر طلیحہ کے پاس ایک بڑا انبوہ جمع ہو گیا اور سرزمین نجد میں چشمہ بزاخہ کے اوپر ان کا اجتماع ہوا۔

مدینہ میں اس وقت حاتم کے بیٹے حضرت عدیؓ موجود تھے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ سے اجازت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے۔ اور ان کو سمجھایا یا ان کے سمجھانے سے بنی طے پھر اسلام لائے۔ اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی فوج لے کر قریب پہنچ گئے۔ قبیلہ طے کے لوگوں نے عدی سے کہا کہ تم جا کر خالد کو روکے رہو۔ تاکہ ہم اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے ساتھ ہیں بزاخہ سے نکال لائیں۔ ورنہ ہماری مخالفت کی وجہ سے وہ یا تو ان کو قتل کر ڈالے گا یا پکڑ کر رہن رکھ لے گا۔ عدی حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تین روز صبر کریں میرے قبیلہ سے انشاء اللہ پانچ سو

جنگ آور اور مل جائیں گے جن سے آپ اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں حضرت خالدؓ نے ان کی بات مان لی۔

بنی طے اپنے بھائیوں کو مقام بزاخہ سے امداد کے بہانہ سے بلا لائے اور سب کے سب اسلام پر قائم ہو گئے۔

عدی نے یہی کوشش قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور وہاں بھی نتیجہ حسب مراد نکلا۔ ان دونوں قبیلوں سے ایک ہزار آدمی حضرت خالد کی فوج کے ساتھ شامل ہوئے۔

مورخین نے حضرت عدی کی اس کوشش پر ان کو بنی طے کے بہترین فرزند کا لقب دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے۔ اس سے اسلام کو مدد پہنچنے کے علاوہ خود ان کا قبیلہ دینی اور دنیاوی برکتوں سے مالا مال ہوا۔

حضرت خالدؓ اپنی فوجیں لے کر بزاخہ میں پہنچے اور طلیحہ کے ساتھ جنگ کر کے اس کو شکست دے دی اس کی تمام جماعت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھاگ گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ہر قسم کی ذلت و خواری اٹھا کر پھر مسلمان ہوا اور مدینہ میں آیا حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے کاذب! تیرا ہی دعویٰ تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ مجھے اللہ رسوا نہ کرے گا اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ سب کفر کے فتنے تھے جن کو میرے اسلام نے مٹا دیا۔ اب آپ مجھ پر سخت گیری نہ کریں۔

نی تمیم و مالک بن نُویرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل تمیم میں متعدد امرا مقرر کئے تھے جن میں سے زبرقان بن بدر
ن بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نُویرہ بھی تھے۔ فتنۂ ارتداد میں ان
ںسے کوئی اسلام پر قائم رہا۔ کوئی مرتد ہو گیا۔ کوئی مذبذب تھا۔ اسی درمیان
ی تمیمی بنی یربوع کی شاخ بنی تغلب میں سے ایک عورت سجاح بن حارث نے
ت کا دعویٰ کیا بنی تغلب کے نصاریٰ کی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی۔

سجاح نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرے۔ اس نے مالک بن نُویرہ کو بلایا۔
ھوں نے مشورہ دیا کہ بنی تمیم کے بعض قبائل تمہارے مخالف ہیں پہلے ان کو اپنے
ابو میں کر لو۔ اس کے بعد کہیں کا ارادہ کرو۔ وکیع بن مالک بھی اس کے ساتھ ہو گئے
ں نے اپنے مخالف تمیمی قبائل کے ساتھ جنگ شروع کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔
خرکار اس مہم کو چھوڑ کر مسیلمہ کذاب کی طرف رخ کیا جس نے یمامہ میں نبوت کا
دعویٰ کیا تھا اس نے صلح کر لی۔

اسی اثنا میں حضرت خالدؓ اپنی فوج لے کر اس طرف پہنچے سجاح کی جمعیت
منتشر ہو گئی۔ بنو سابنی تمیم بھی اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ان لوگوں نے مال کو
حضرت خالد کے پاس بھیج دیا۔ مالک بن نویرہ نے نہیں بھیجا اور اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ
منفرق ہو جائے۔

حضرت خالدؓ جب مقام بطاح میں پہنچے اور وہاں کسی کو نہ دیکھا تو اپنی فوج کے

دستے اِدھر اُدھر تلاش کے لئے بھیجے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے سا
کو پکڑ لایا۔ خالد نے اِن کو قید کیا اور پھر قتل کر ڈالا۔

بعض مسلمانوں نے جن میں حضرت ابو قتادہؓ بھی تھے اس قتل کو خلیفہ کے
کے خلاف قرار دیا اس لئے کہ انھوں نے گرفتاری سے قبل ان مقتولین کو اذا
سنا تھا اور اس کی شہادت بھی دی تھی۔

جس بات نے اس الزام کو اور زیادہ اہمیت دی وہ یہ تھی کہ خالد نے
بن نویرہ کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

یہ خبر جس وقت حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو انھوں نے افسوس کیا۔ حضرت
کہا کہ خالد کی تلوار خونریز ہے اگر یہ الزام صحیح ہے تو لازم ہے کہ وہ قید کیے
خالد کا جواب یہ تھا کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذان پکار دی تھی لیں
حضرت عمرؓ کو اس جواب سے تسلی نہ ہوئی ان کو خالدؓ کی گرفتاری پر اصرار تھا
حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ خالدؓ پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے ا
تاویل کی اس میں ان سے غلطی ہو گئی۔ اے عمرؓ! تم خالدؓ کے بارے میں اپنی
بند کرو۔ پھر خلیفہ نے خود مالک کا خون بہا ادا کیا۔

حضرت ابو قتادہؓ خالد سے خفا ہو کر بلا ان کی اجازت کے ان کی فو
نکل کر مدینہ میں چلے آئے تھے۔ چونکہ یہ امر فوجی نظام کے منافی تھا اس لئے با
ان کی جلالت شان اور بزرگی کے بھی حضرت ابوبکرؓ ان کے اوپر برافروختہ

بے اللہ فوراً ان کو خالدؓ کے پاس بھیجا۔

بنی یربوع کی خواری کے بعد قبائلی تمیم عام طور پر اسلام کی طرف پلٹ آئے
طرح زمانہ رسالت میں زکوٰۃ دیتے تھے اسی طرح دربارِ خلافت میں
لگے۔

یمامہ کا قبیلہ بنی حنیفہ آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکا

لمہ کذاب تھا ان کا وفد بھی دربارِ رسالت میں آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سنکر اس قبیلہ کے سردار مسیلمہ
وت کا دعویٰ کر دیا۔ اور مشہور کیا کہ آنحضرتؐ نے خود مجھ کو اپنا شریک بنایا تھا۔
کی خواہش تھی کہ نصف ملک عرب میرے قبضہ میں رہے اور نصف قریش
مگر پھر کہتا تھا کہ قریش نا منصف قوم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس کے مقابلے کے لئے یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کئے۔
فوج کو عکرمہ اور دوسری کو شرجیل لے کر گئے۔ حکم دیا تھا کہ جب دونوں فوجیں
ہو جائیں تب بنی حنیفہ سے جنگ کی جائے۔ لیکن عکرمہ نے اس خیال سے کہ
کامیابی کا سہرا میرے سر بندھے پہنچکر اکیلے اپنی ہی فوج سے حملہ کر دیا۔ اور
شکست کھائی۔ حضرت ابوبکرؓ اس کو سنکر بہت برہم ہوئے ان دونوں فوجوں کو
ہاں سے دوسری طرف جانے کا حکم دیا۔ اور خالد بن ولید کو جو بنی تمیم کی مہم سے فارغ
ہو چکے تھے بنی حنیفہ کی طرف روانہ کیا۔

مسیلمہ کے پاس بہت بڑی جمعیت تھی جس کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی
بادیہ نشین جو قبائل ربیعہ میں سے تھے محض قومی عصبیت کے خیال سے اس
ساتھ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض صاف صاف طور پر کہتے
مسیلمہ کذاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی
کے سچے نبی سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالدؓ جب وہاں پہنچے تو نہایت ہولناک جنگ پیش آئی۔
نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے
چند پرجوش باحمیت اور غیرت مند صحابہؓ کی کوشش اور ہمت دلانے کی وجہ
اسلامی فوج ثابت قدم رہ گئی اور اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے
دیئے۔ خود مسیلمہ جو وسط فوج میں تھا مارا گیا اس کو وحشی غلام جو حضرت حمزہؓ کا
تھا اور ایک انصاری شخص نے قتل کیا۔ بنی حنیفہ شکست کھا کر بھاگے اور
قلعوں میں پناہ گزین ہوئے۔ بالآخر ان کے قائم مقام مجاعہ بن مرارہ نے حضرت خالدؓ
کے پاس آکر مصالحت کی۔ صلح اس بات پر قرار پائی کہ لوگ قتل نہ کئے جائیں
ان کا نقد مال اور ہتھیار ضبط کر لئے جائیں اور جس قدر ان کے اسیرانِ جنگ ہیں
میں سے ایک چہارم لے لئے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کے نام ہدایت نامہ لکھا تھا کہ بنی حنیفہ کے مقاتلین
قتل کئے جائیں۔ یہ مکتوب معاہدۂ صلح کے بعد پہنچا۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے اپنی

شرائط کو پورا کیا۔

بنی حنیفہ اس کے بعد ارتداد چھوڑ کر اسلام کی طرف آ گئے۔ حضرت خالدؓ نے ان میں سے منتخب اشخاص کا ایک وفد بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے کو اور نیز ہم کو مصیبت میں ڈالا۔ انھوں نے کہا کہ جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا جو اللہ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لئے نامبارک تھا۔

اسود عنسی

آنحضرت کی وفات سے پیشتر قحطانی قبیلہ کی ایک شاخ عنس کے سردار اسود نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یمن کے دیہاتی اس کے پیرو ہو گئے۔ اس نے ان کی مدد سے نجران پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قبیلۂ مذحج کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اب وہ صنعا کی طرف بڑھا۔ وہاں کے عامل شہر سے لڑائی کی۔ اور ایرانی فوج کو جو ابناء کے نام سے مشہور تھی شکست دیدی۔ اس فتح کی وجہ سے تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور اس کے فتنہ سے آگ ہر طرف پھیل گئی۔ اہل یمن میں سے کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور کچھ لوگ اس کے خوف سے خاموش ہو رہے۔

آنحضرت کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک خط ابناء کے سرداروں کے پاس بھیجا کہ دین اسلام پر قائم رہیں اور اسود کو قتل کر ڈالیں۔

اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسود اپنے لشکر کے سردار قیس بن عبد یغوث مرادی سے بدگمان ہو گیا۔ قیس کو اپنی جان کا خطرہ ہوا۔ اس لئے وہ ابناء کے ساتھ مل گیا۔ اور اسود کے قتل کے سازش کی اس میں حاکم شہر کی بیوی بھی جس

کو اسود نے اس کے شوہر کے قتل کے بعد جبراً اپنے نکاح میں لے لیا تھا شریک ہو گئی۔ ابناء میں سے ایک شخص فیروز نامی نے موقع پا کر رات کو اسود کے مکان میں چھپ کر اس کو اچانک قتل کر ڈالا۔ اور جب صبح ہوئی تو اس کے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اذان پکار دی۔ اس طرح پر صنعاء فتنہ اور فساد سے آزاد ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے ان تمام واقعات کی خبر آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی ان کا قاصد مدینہ میں اس صبح کو پہنچا جس کی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔

اسود کی ابتدائے شورش سے اس کے قتل تک کا زمانہ تقریباً چار مہینہ تھا۔

جب اہل یمن کو آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو اسود عنسی کے بعض حامیوں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم ان مرتدوں کے مقابلے میں جمے رہو۔ بہت جلد فوج بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مہاجر بن ابی امیہ لشکر لئے ہوئے وہاں پہنچے اور صنعاء پر قبضہ کیا۔ شورش پسندوں کے سرغنے مثلاً قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب وغیرہ گرفتار کئے گئے۔

پھر مہاجر صنعاء سے حضرموت میں قبیلہ کندہ کی طرف گئے۔ کیونکہ وہاں کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر عکرمہ کی فوج بھی آکر ان کے ساتھ مل گئی۔ بنی کندہ نے شکست کھائی اور ان کا سردار اشعث بن قیس پکڑا گیا۔

بحرین اور حطم بحرین میں عبدالقیس اور بکر بن ربیعہ کے قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا والی مقرر فرمایا تھا۔

جس مہینے میں آپؐ نے وفات پائی اسی مہینے میں منذر نے بھی انتقال کیا۔ اہل بحرین مرتد ہو گئے۔

حضرت جارود بن معلیٰؓ نے جو اسلام پر ثابت قدم تھے اپنے قبیلہ عبدالقیس کو جمع کیا۔ اور کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو جواب دینا ورنہ خاموش رہنا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کی خبر ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء آتے رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ بے شک۔ حضرت جارود نے کہا کہ پھر وہ کہاں گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ گذر گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس طرح وہ لوگ گذر گئے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کو چھوڑ گئے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ان لوگوں نے بھی ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم بھی اس کا اقرار کرتے ہیں اور آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے افضل ہیں۔ اس طرح پر قبیلہ عبدالقیس بلا کسی جنگ کے اسلام پر قائم ہو گیا۔ لیکن بنی بکر کے سردار حُطَم بن ضبیعہ نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کیا۔ نیز اس نے قطیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی بہکایا۔

حضرت علاء بن حضرمی خلیفہ کے حکم سے فوج لے کر وہاں پہنچے۔ ثمامہ بن اُثال بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کی ایک جماعت لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حُطَم

مقابلہ کے لئے آیا اور شکست کھا کر مقتول ہوا۔ اس کے بعد بنی بکر راہ راست پر آ گئے۔

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مختلف اطراف میں مُرتدین کے ساتھ ہوئیں۔ اور سب میں مسلمان ہی غالب رہے۔

تاریخ کے ان تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو ایسا عزم راسخ اور قلب قوی عطا فرمایا تھا جو دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں بھی مشکل سے پایا جا سکتا ہے۔ ارتداد کی شورشیں جو سارے ملک میں پھیل گئی تھیں اس میں مسلمانوں کی جو حالت ہو گئی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود اس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

فتنۂ ارتداد میں مُسلمانوں بکریوں کے اس ریوڑ کے مانند تھے جو موسم زمستاں کی سرد رات میں برستے ہوئے پانی میں گھر سے باہر بیابان میں بے چرواہے کے رہ جائے۔

لیکن پورے ایک سال کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اس سے نہ صرف ان کے عزم راسخ کا پتہ چلتا ہے بلکہ جو نظام فوج انھوں نے قائم کیا تھا اور جس طرح پر امراء لشکر کے ساتھ سلسلہ وار خط و کتابت اور ان کو ہدایتیں بھیجا کرتے اس کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ اگر امداد الٰہی کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا عزم

نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تاریخ وہ رتبہ حاصل نہ کر سکتی جو اس کو حاصل ہوا۔

ظہورِ عرب

امت عربیہ مدت دراز سے اپنے جزیرہ عرب میں محصور اور اپنے ملک کے صحراؤں اور بیابانوں پر قانع تھی۔ باہمی جنگوں نے جو سلسلہ وار ان میں جاری رہتی تھیں ان کی قوتوں کو فنا کر رکھا تھا۔ ان کی ہمسایہ قوتیں ان پر غالب آگئی تھیں اور ان کے ملک کے جو زرخیز مقامات تھے ان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ گو خود بعض عربی قبائل میں بھی حکومت اور ریاست تھی۔ لیکن وہ با استقلال حکمراں نہیں تھے بلکہ فارس یا روم کے ماتحت تھے۔

مگر جب اسلام آیا تو اس نے انھیں مغلوب عربوں سے ایک ایسی عظیم الشان امت تیار کی جس نے روم اور فارس کی قوتوں کو توڑ کر اپنی سلطنت قائم کی اور قدیم حالت بدل دی۔

عرب کے دونوں بازوؤں پر دنیا کی وہ عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں جن کی عظمت اور شوکت کے آگے زمانۂ قدیم سے اہل عرب اپنے سر کو جھکاتے تھے یعنی ایران اور روم شرقی۔

ایران سلطنت ایران کا پایۂ تخت مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ یہاں ساسانی

خاندان کا بادشاہ رہا کرتا تھا۔

ساسانی سلطنت کی بنیاد اردشیر بابکان نے ڈالی تھی۔ اس نے اس طوائف الملوکی کے بعد جو اسکندریہ مقدونی کی فتح اور یونانیوں کی حکومت سے پیدا ہو گئی تھی سنہ ۲۲۶ء میں پھر ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع کیا اور تمام ایرانی ممالک نیز عراق کے اوپر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اپنا لقب شہنشاہ رکھا۔ یہ سلطنت سلسلہ بسلسلہ اسی کی اولاد میں چلی آتی تھی۔

نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز تختِ سلطنت پر تھا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دعوتِ اسلام کے متعلق اس کے پاس گیا اس نے غصہ میں اس کو چاک چاک کر ڈالا اور اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ وہ اس داعیٔ مذہب کو پکڑ کر دربار میں بھیج دے۔

اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہوا۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ تک سلطنت نہ کر سکا اور صرف چھ مہینے کے بعد اپنے خاندان و ملک کے ساتھ بہت کچھ سختیاں کر کے فنا ہو گیا۔ پھر اس کا کمسن بچہ اردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور اس کے نام سے سلطنت کے فرمان جاری ہونے لگے۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار شہر براز جو رومی سرحد پر فوجیں لئے پڑا تھا اردشیر کی تخت نشینی کا حال سن کر مدائن میں آیا اور اس لڑکے کو قتل کر کے خود اپنے سر پر تاج رکھا چونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے امراء اور ارکانِ سلطنت

نے اس کی مخالفت کی اور متفق ہو کر اس کو مار ڈالا۔ اور شیرویہ کی بہن بوران کو تخت نشین کیا۔ یہ صرف سولہ مہینے حکمراں رہی۔ اس کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ بوران کے بعد جوان شیر نے سر پر تاج رکھا۔ لیکن ایک مہینہ بھی اس کے سر پر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت سلطنت پر بیٹھی۔ آخر میں شاہ یزدگرد شہریار بادشاہ بنایا گیا۔ جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

روم

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو وسعت اور قوت وشوکت کے لحاظ سے اس کی مدمقابل تھی اس کا پایۂ تخت رومۃ الکبریٰ اور اس کے حدود حکومت میں مشرقی ممالک شام، مصر اور حبش وغیرہ شامل تھے۔

ایک مدت کے بعد اس کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مغربی حصہ کا مرکز بدستور رومہ رہا اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ابتدائے اسلام میں قسطنطنیہ کے تخت پر ہرقل قابض تھا جو اپنے تخت نشین ہونے سے پہلے افریقیہ کا والی تھا۔ پھر قیصر فوقا سے بغاوت کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور سنہ ۶۱۰ء میں اس کے بجائے اپنے سر پر تاج رکھا۔ اس کی حکومت سنہ ۶۴۱ء تک رہی۔ اسی کے زمانہ میں مسلمانوں نے ملک شام کو فتح کیا۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں میں ایک دائمی نزاع چلی آتی تھی اور شام و

عراق کے میدان ان کے تنازعات کی جولانگاہ تھے جہاں اکثر دونوں میں لڑائی کی آگ مشتعل رہتی تھی۔ کبھی ایرانی غالب آجاتے تھے اور ان کی سلطنت بحر روم کے سواحل تک پہونچ جاتی تھی اور کبھی رومیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور وہ دجلہ اور فرات تک قابض ہو جاتے تھے۔ آغاز اسلام میں قیصر فوقا اور نوشیروان کی فوجوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اس میں اہل فارس کو سلسلہ وار فتوحات حاصل ہوئیں۔ انھوں نے رومیوں کو شام سے نکال کر باسفورس کے سواحل تک دھکیل دیا۔ اور فینیشیا اور فلسطین کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پھر ہرقل کے زمانہ میں بھی یروشلم پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بہت سے مسیحی آثار کو مٹا دیا اور صلیب مقدس چھین لائے۔ سنہ ۶۱۶ء میں مصر پر بڑھے اور اسکندریہ تک فتح کر لیا۔

یہ فتوحات چونکہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر حاصل ہوئی تھیں اس لئے مشرکین عرب مسلمانوں کے مقابلہ میں اس پر شادیانے بجاتے تھے۔ سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اگرچہ رومی اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب آجائیں گے اور اس وقت مسلمان خوش ہوں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ سنہ ۶۲۳ء میں ہرقل اپنے خواب غفلت سے ہوشیار ہوا اور سامان اور فوجوں کو مرتب کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا اور فتح پائی۔

ایران و روم کی یہ لڑائیاں اسی طرح جاری رہیں۔ جب شیرویہ نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا اور ایران کی سلطنت کا مالک ہو گیا تو اس نے ۶۲۸ء میں رومیوں سے مصالحت کر لی جس قدر عیسائی قیدی اس کے پاس تھے واپس کر دیئے اور صلیب مقدس بھی دیدی۔ ہرقل کو اس کامیابی پر انتہا درجہ کا سرور اور فخر حاصل ہوا۔ اور سنہ ۶۲۹ء میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس میں آیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ خط بیت المقدس ہی میں اس کو موصول ہوا۔

ابتدائے عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔

جنگ ایران

ایرانی جس نگاہ سے اہل عرب اور خاص کر اسلام کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ خسرو پرویز نے نامہ نبوی کو چاک کر ڈالا تھا اور یمن کے عامل کو حکم دے دیا تھا کہ وہ عرب کے نبی کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دے۔ لیکن اس درمیان میں تخت سلطنت میں متعلق جھگڑے برپا ہو گئے اور اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ علاوہ بریں وہ اپنی قوت اور شوکت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم جب چاہیں گے ان کا استیصال کر دیں گے اس وجہ سے مسلمان ایرانیوں کی طرف سے مطلق مطمئن نہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ جس وقت یہ اپنی نزاعات سے فرصت پا گئے اس وقت ہماری طرف رخ کریں گے

اس لئے ابوبکرؓ جب مرتدین کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے سپہ سالار اعظم خالد بن ولید کو ایران پر فوج کشی کا حکم دیا۔ اور ان کو یہ بھی تاکید کر دی کہ صرف انھیں مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگ پر لے جائیں جو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہے تھے۔

حضرت خالد کو یہ فرمان یمامہ میں موصول ہوا۔ اس وقت انھوں نے سرحد عراق کے فرمانروا ہرمز کو یہ خط لکھا:۔

> تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے۔ یا اپنی قوم کی طرف سے ذمی ہونے کا اقرار کرو۔ اور جزیہ دینا قبول کر لو۔ ورنہ سوائے اپنے پھر کسی کو ملامت نہ کرنا کیونکہ میں ایک ایسی قوم کو تمہارے مقابلہ میں لا رہا ہوں جو اسی قدر موت کی خواہاں ہے جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو۔

اس کے بعد ہی وہ خود بھی اپنی فوجوں کو لے کر وہاں پہونچ گئے

ہرمز کو جس وقت یہ خط ملا اس نے شہنشاہ ایران کے پاس بھیج دیا۔ اور اپنی ساری فوجیں جمع کر کے کاظم کی طرف بڑھا۔ یہ اس سرحد کے بدترین امراء میں سے تھا۔ اور تمام عرب جو اس وقت قریب و جوار میں بستے تھے اس کے سخت دشمن تھے۔

جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو خالد نے ہرمز کو میدان جنگ میں پکارا۔ وہ مقابلے کے لئے آیا اور مارا گیا۔ اس کے بعد ایرانی نہ ٹھہر سکے۔ اور

شکست کھا کر بھاگے۔

ایرانی سپاہیوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ میدانِ جنگ سے بھاگ نہ سکیں۔ اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا۔ مسلمانوں نے جب ان کو فراہم کیا تو تقریباً ایک شتر بار ہوئیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔

اس فتح کی خبر حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور ازراہ قدردانی ہرمز کا تاج جو ایک لاکھ درہم کا تھا حضرت خالد کو بخش دیا۔ خالدؓ اپنی فوجوں کو وہاں سے لے کر آگے بڑھے اور اس مقام پر جہاں بعد میں بصرہ آباد کیا گیا قیام فرمایا۔

دربارِ ایران کی طرف سے قارن کی سرکردگی میں ایک فوج ہرمز کی کمک کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھی کہ اس کو اس شکست کی خبر ملی اس نے مقام مذار میں خیمے ڈال دیئے۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو اسی طرف بڑھایا اور صف آرائی کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایرانی شکست کھا گئے۔ اور ان کا سپہ سالار مارا گیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ لیکن وہ کشتیوں میں سوار ہو کر ندی سے پار اتر گئے۔ جس قدر ایرانی اس جنگ میں قتل ہوئے ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جس وقت شہنشاہ ایران کو پہنچی تو اس نے اندرزگر

کی سپہ سالاری میں ایک فوج گراں روانہ کی۔ جب وہ مدائن سے نکل کر مقام دلجہ میں پہنچا تو اس کی امداد کو ایک دوسری فوج بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں بھیجی ایرانی فوج میں اکثر نصارائے عرب بھی شامل ہو گئے۔

جب خالدؓ کو ان فوجوں کا حال معلوم ہوا تو مقابلے کے لئے آگے بڑھے لیکن اپنے خط رجعت کو محفوظ رکھنے کے لئے جا بجا دستے متعین کرتے گئے دلجہ میں پہونچ کر تین طرف سے ایرانیوں پر حملہ کا سامان کیا۔ پہلے ایک جانب سے خود بڑھے اس کے بعد جب لڑائی کے شعلے بھڑکنے لگے تو دوسرا حصہ اور پھر تیسرا حصہ فوج کا اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ اس تدبیر سے ایرانی گھبرا گئے اور بہت جلد ہزیمت کھا کر بھاگے۔ ان کا سردار ایک طرف بدحواسی میں نکل گیا اور پیاس کی شدت سے مر گیا۔

قبیلہ بکر کے جن عیسائی عربوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی وہ بیشتر اس لڑائی میں قتل کر دیئے گئے۔ اس سے ان کے ہم قوم نصاریٰ جوش میں آ کر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بہمن جاذویہ کی فوج میں جا کر مل گئے وہ انبار کے متصل الیس میں اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا۔ خالدؓ نے پہونچکر اس پر حملہ کیا اور اس کے فوج کے زیادہ حصہ کو قتل کر ڈالا۔

الیس کی جنگ سے فارغ ہو کر حیرہ کا محاصرہ کیا۔ اہل حیرہ نے یہ دیکھ کر کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مصالحت کی خواہش کی۔ عمرو بن عبدالمسیح

اور دوسرے رؤسا نے آکر صلح کی گفت گو کی۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر مصالحت قرار پائی۔ ان لوگوں نے بہت سے تحفے اور ہدیے بھی پیش کیے حضرت خالد نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ان کو جزیہ کی رقم میں شمار کرلیا۔ اور عہدنامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا :۔

یہ وہ عہد ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو بن المسیح اور ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال کے ساتھ کیا نامبردگان باشندگان حیرہ کے قائم مقام اور وہاں کے رؤسا ہیں۔ قرارداد یہ ہے کہ وہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ ہمارے ذمہ ان کی حفاظت ہے۔ اگر ہم ان کی محافظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں اور اگر یہ لوگ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔

اہل حیرہ سے صلح ہونے کے بعد صلوبا نے بھی جو قس ناطف کا رئیس تھا عہدنامہ لکھ دیا۔ ایرانی مرزبانوں اور دہقانوں نے بھی جب حضرت خالدؓ کی فتوحات اور ان کے عہدنامہ کو دیکھا اور ان کے انصاف اور برتاؤ کی خوبی کا ان کو حال معلوم ہوا تو فلالیج سے ہرمز جرد تک کے رؤسا نے آکر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کرلی۔ حضرت خالد نے تحصیل وخراج جزیہ اور ملکی انتظامات کے لئے عمال مقرر کئے اور ذمیوں کے امن وامان کا پورا

بندوبست کیا۔

حیرہ سے انھوں نے بادشاہ ایران کو ایک خط بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ:۔

از جانب خالد بن ولید بنام فرمانروائے ایران۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو قتل اور تمہاری تدابیر کو بیکار کر کے تم کو ابتر کر دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمہارے حق میں اور زیادہ بُرا ہوتا تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ ہم تم کو اور تمہاری سرزمین کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ بالآخر تم کو یہی کرنا پڑے گا میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کے اسی قدر عاشق ہیں جس قدر تم زیست کے عاشق ہو۔

اس زمانہ میں اہل ایران میں تخت سلطنت کے متعلق اختلافات تھے کیونکہ شاہی خاندان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کو وہ اپنا بادشاہ بنا لیتے جب حضرت خالد کا خط پہنچا تو انھوں نے اپنے جھگڑوں کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا لیا۔ اور کہا کہ جب تک ساسانی خاندان کا کوئی شخص بادشاہت کے قابل نہ ملے اس وقت تک امور سلطنت اسی کے ہاتھ میں رہیں۔

جب خالد جنوبی عراق کی مہم سے فارغ ہو کر شمالی عراق میں

عیاض بن غنم کی امداد کے لئے روانہ ہوئے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے۔ جب انبار میں پہنچے تو وہاں کے باشندے قلعہ گیر ہو گئے۔ ان کا محاصرہ کیا اور ان کے اوپر تیر برسائے۔ بالآخر انھوں نے اس بات پر مصالحت کی کہ جریدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نکل جائیں اور مع تمام مال متاع کے قلعہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ حضرت خالد نے اس کو منظور کر لیا۔ اس فتح کے بعد اس اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔ وہاں زبرقان بن بدر کو اپنا جانشین بنا کر عین التمر کی طرف بڑھے۔ جہاں مہران پسر بہرام چوبیں فوج لئے پڑا تھا۔ نمر۔ تغلب اور ایاد کے قبائل کے نصارائے عرب بھی عقہ بن ابی عقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ شامل تھے۔ عقہ نے مہران سے کہا کہ عرب عربوں کی لڑائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لہذا ہم کو خالد کے مقابلہ کے لئے جانے دو۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔

عقہ اپنی فوج لے کر حضرت خالد کے مقابلہ میں آیا۔ انھوں نے بھی صف آرائی کی اور دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ خالدؓ نے بڑھ کر عقہ کو گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج شکست کھا گئی۔ مہران یہ دیکھ کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نصارائے عرب کی شکست خوردہ جمعیت جب وہاں پہنچی تو دیکھا ایرانی فوج جا چکی ہے۔ مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور بلا امان دیئے ہوئے ان سب کو قتل کر ڈالا۔

اس قلعہ میں چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھا کرتے تھے۔ انھیں میں سے موسیٰ ابن نصیر فاتح اندلس کے باپ نصیر۔ محمد ابن سیرین کے باپ سیرین اور حمران مولیٰ عثمان وغیرہ تھے۔ یہ اسلامی فوج میں تقسیم کیے گئے۔

یہاں خالد کو عیاض بن غنم کا خط ملا جو شمالی عراق میں ذومۃ الجندل کا محاصرہ کیے ہوئے تھے انھوں نے ان کو بلایا تھا۔ حضرت خالد نے ان کو مندرجہ ذیل مختصر جواب لکھا۔

از جانب خالد بنام عیاض۔ میں تمہارے ہی پاس آرہا ہوں

ذومۃ الجندل میں نصارائے عرب کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ جب حضرت خالد کے آنے کی ان کو خبر ہوئی تو ان کے رئیس اکیدر بن عبد الملک نے ان لوگوں سے کہا کہ میں خالد کو خوب جانتا ہوں۔ ان سے زیادہ مبارک فال اور زبردست سپہ سالار میں نے نہیں دیکھا۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ۔ ممکن نہیں کہ خالد کے مقابلہ میں شکست نہ کھا جائے۔ لہٰذا تم لوگ میری بات مانو اور ان سے صلح کرلو۔ لیکن انھوں نے اس کی بات نہیں مانی وہ ناراض ہو کر ان کو چھوڑ کر نکلا اور اسی نکلنے میں مارا گیا۔

ذومۃ الجندل کا محاصرہ ایک طرف سے عیاض نے اور دوسری طرف سے خالد نے کیا۔ محصورین نے تنگ آکر شکست کھائی اور سوائے بنی کلب کے جو تمیم کے حلیف تھے اور ان کو عاصم بن عمرو تمیمی نے امان دے دی تھی اور کسی

قتل سے نجات نہ مل سکی۔ اس فتح کے بعد خالد حیرہ واپس چلے آئے یہاں آکر ان کو معلوم ہوا کہ اہل عجم جمعیت فراہم کرکے پھر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے دو دستے حصید اور خنافس کی طرف روانہ کئے۔ وہاں جس قدر ایرانی جمع ہوئے تھے۔ ان کو ان دستوں نے بھگا دیا۔ خود حضرت خالد مصیح کی طرف بڑھے وہاں عربی قبائل ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے تھے ایک ہولناک جنگ پیش آئی جس میں غنیم نے شکست کھائی۔

مقام فراض میں جہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں رومیوں ایرانیوں اور عربوں نے مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ خالد نے ایک ساتھ سب کو شکست دیدی۔ یہ واقعہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۲ھ میں پیش آیا۔ وہاں دس روز رہ کر ۲۵ ذی قعدہ کو عاصم بن عمر کو حکم دیا کہ وہ فوجوں کو لے کر حیرہ واپس چلیں اپنے کو ظاہر کیا کہ میں ساقہ پر رہوں گا۔ لیکن وہاں سے چند ساتھیوں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے اور حج کرکے حیرہ میں اس قدر جلد واپس آئے کہ ابھی تک فوج کا آخری حصہ یعنی ساقہ وہاں تک نہیں پہونچ سکا تھا۔ چنانچہ اسی کے ساتھ ہو گئے اور بجز ان اشخاص کے جو ان کے ساتھ تھے اور کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حج کر آئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب اس کی اطلاع پہونچی تو انھوں نے خفگی کا اظہار کیا کہ اس طرح فوج کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا۔

اس کے بعد فرمانِ خلافت ملا کہ تم شام کی طرف جاؤ اور اسلامی فوج

میں جو یرموک میں ہوئے شریک ہو۔

حضرت خالد عراق میں ۱۴ مہینے رہے۔ ان کے ساتھ کل دس ہزار فوج تھی اور اسی قدر دیگر اسلامی امراء مثنیٰ وغیرہ کے ساتھ۔ اس قلیل عرصہ میں اور اس قلیل سپاہ کے ساتھ انھوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آجتک دنیا کا کوئی سپہ سالار ایسے کام نہیں کر سکا۔ مقام ابکہ سے فرات تک سارا علاقہ ایران جیسی زبردست سلطنت سے چھن گیا۔ اور ایرانیوں، عربوں نیز رومیوں سے متعدد مواقع پر جنگ پیش آئی۔ ہر ایک میں وہ فاتح رہے کسی میں بھی مغلوب نہیں ہوئے جس طرف بڑھتے تھے ان کا نام آگے آگے جاتا تھا۔ اور فتح ساتھ ساتھ۔ خط واپسی کو ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے۔ تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آسکے اور جب کسی مقام کو فتح کرتے تھے تو وہاں کی رعایا کی اصلاح معاملات وصولی خراج اور امن وامان قائم رکھنے کے لئے امراء اور عمال اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے کاشتکاروں اور پیشہ وروں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ ایرانی حکومت کے مقابلے میں عربی حکومت کو زیادہ پسند کرنے لگے اور امن واطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے رعایا کے ساتھ جس قدر ان کا برتاؤ نرم تھا اسی قدر دشمنوں کے لئے وہ سخت تھے جب غنیم کی فوج کو دیکھ لیتے تھے تو صبر نہیں کر سکتے تھے بلکہ فوراً حملہ کر دیتے تھے اور بیشتر ان کے سرداروں سے مقابلہ کرکے ان کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اس کے بعد

لڑائی زیادہ طول نہیں کھینچی تھی۔

الغرض حضرت خالد کے کارنامے فتوحات اسلام کی تاریخ کی پیشانی کا نور ہیں۔

جنگ روم

شام کے غسانی بادشاہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھے۔ اور انھوں نے عیسوی مذہب بھی اختیار کرلیا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرجلیل بن عمرو غسانی کے نام دعوت اسلام کا خط حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا تو اس نے ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے قصاص کے لئے ۸ھ میں مدینہ سے تین ہزار فوج بھیجی گئی رومی اور غسانی فوجوں سے جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی مقام موتہ میں مقابلہ ہوا اسی لڑائی میں زید بن حارث اور جعفر طیار وغیرہ شہید ہوئے تھے آخر میں حضرت خالد اس قلیل فوج کو غنیم کے نرغہ میں سے نکال لائے اور واپس چلے آئے اس کے بعد غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ قیصر روم نے بھی ان کی امداد کے لیئے چالیس ہزار فوج دی۔ آنحضرت اس کی خبر پاکر تیس ہزار فوج لیکر ۹ھ میں خود تبوک تشریف لے گئے لیکن وہ لوگ مقابلہ کیلئے نہ آئے۔

مدینہ میں غسانیوں کی طرف سے متوحش خبریں پہنچا کرتی تھیں اور ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرت نے دوبارہ ۱۱ھ میں ایک لشکر ان کے مقابلہ کیلئے تیار کیا اور اس کا سردار اُسامہ کو مقرر کیا جن کے باپ

حضرت زید سریہ موتہ میں سپہ سالار تھے اور شہید ہو گئے تھے یہ لشکر آپ کی
علالت کی وجہ سے رُک گیا۔ وفات نبوی کے بعد حضرت ابوبکر نے اس کو بھ
لیکن اس سے غسانیوں اور رومیوں کو جو خطرہ تھا اس میں کمی نہیں آئی کہ
وہ ایک نہ ایک دن مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے تیار تھے۔ اس لئے
حضرت ابوبکر نے ۱۲ھ کے آخر میں چار بڑے سپہ سالار منتخب کئے۔ عمرو بن
عاص۔ یزید بن ابی سفیان۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنا ان
میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فوج نامزد کی۔ اور ان کے راستے متعین کر کے
شام کی طرف روانہ کیا۔

حضرت عبیدہ حمص۔ عمرو فلسطین۔ یزید دمشق۔ اور شرجیل اردن کی طرف
بھیجے گئے۔ اس تمام فوج کی تعداد جو ان چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ تھی
۳۶ ہزار تھی۔

جب رومیوں کو اسلامی فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے مقابلہ
کی فکر کی۔ ہرقل اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا اس نے یہ بھی سنا کہ اسلامی فوج
الگ الگ چار حصوں میں منقسم ہے اس لئے یہ کوشش کی کہ یہ فوجیں مجتمع نہ ہو
پائیں اور ہر ایک حصہ کے مقابلہ میں اس سے دگنی تعداد میں فوج بھیجی جائے۔
مسلمان امرا کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے باہم خط و کتابت کی
عمرو بن عاص سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے انھوں نے ہر ایک کو یہ لکھا

تبری رائے یہ ہے کہ ہم سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں یہ رائے سب لوگوں نے پسند کی۔ اطلاعاً ایک تحریر خلیفہ کے پاس بھیجی گئی انھوں نے بھی منظور کیا اور لکھا کہ سب لوگ یرموک میں پہنچ کر مل جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی فوج کو نماز پڑھائے۔

ہرقل نے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو ۹۰ ہزار فوج دے کر عمرو بن عاص جرجہ کو بھی اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان اور راقص کو شرحبیل اور فیقار کو ۰ ہزار لشکر کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں بھیجا۔ مگر جب اس مسلمانوں کے اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ان فوجوں کو حکم بھیجا کہ مجتمع ہو کر لڑیں۔ مقام واقوصہ میں وہ تمام فوجیں آکر جمع ہوئیں ان کے ایک طرف دریا اور پس پشت پہاڑ تھا۔ اس محفوظ مقام کو انھوں نے اس وجہ سے پسند کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے دل مطمئن اور بے خوف ہو جائیں رومی فوج کی کل تعداد امام طبری کے بیان کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

اسلامی فوج نے بھی یرموک سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے مورچہ جما لیا اب رومی فوج بالکل محصور ہو گئی اور ان کے آنے جانے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ یہ حالت ماہ صفر سے لے کر ربیع الثانی تک رہی۔ مسلمانوں نے دربار خلافت سے امداد طلب کی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو لکھا کہ وہ عراق کی مہم پر

مثنیٰ بن حارثہ کو چھوڑ کر خود شام میں جا کر مسلمانوں کی مدد کریں۔ ۹ ہزار فوج لے کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان امراء اگرچہ ایک جگہ مجتمع ہیں لیکن اپنی اپنی فوجیں لے کر الگ الگ دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ رومی عنقریب ایک متفقہ حملہ کرنے والے ہیں اس وجہ سے اسلامی فوج کے امراء کو جمع کیا اور کہا کہ

آج کا دن ایک ایسا دن ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس میں فخر اور شرافت کے خیال کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے کوشش کرنی چاہیئے دشمن ترتیب اور نظام کے ساتھ آمادہ جنگ ہے اس لئے ہم کو مناسب نہیں کہ ہم متفرق اور منتشر ہو کر جنگ کریں لہذا وہ راستہ اختیار کیجئے جو مناسب ہے

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ

میری رائے یہ ہے کہ ہم الگ الگ نہ لڑیں۔ بلکہ سب ایک امیر کے ماتحت ہو جائیں اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ اللہ اور نہ خلیفۂ رسول کے نزدیک اس کا رتبہ گھٹ جائے گا۔ رومی ہمارے اوپر حملہ کرنے کے لئے تیار ہیں اگر ہم نے ان کو پیچھے ڈھکیل دیا تو پھر برابر ان کو دباتے چلے جائیں گے اور اگر خدانخواستہ انھوں نے ہم کو شکست دیدی تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ مناسب یہ ہے

کہ ہم باری باری سے امیر ہوں ایک شخص آج دوسرا کل اور تیسرا پرسوں۔

اور آج کے روز تمام فوج کا امیر مجھ کو بنا دو۔

سب لوگوں نے اس بات کو منظور کیا حضرت خالد نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ عربی فوج اس سے پہلے کبھی اس طرح پر مرتب نہیں کی گئی تھی انہوں نے سارے لشکر کو ۳۰ دستوں میں تقسیم کیا ۱۰ دستے قلب میں رکھے اور ابو عبیدہ کو متعین کیا دس دستے میمنہ پر اور ان کا سردار عمرو بن عاص اور شرجیل کو بنایا اور دس دستے میسرہ پر یزید بن ابی سفیان کی سرکردگی میں رکھے ہر ہر دستے پر ایک ایک کارآزمودہ امیر مقرر کیا جو میمنہ یا میسرہ یا قلب کے سپہ سالاروں کے احکام پر اپنے دستہ کو حرکت دے۔ ابوسفیان بن حرب کو نقیب اور ابو درداء کو قاضی اور مقداد کو قاری مقرر کیا۔

اسلامی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ جنگ سے پیشتر سورۂ انفال سنائی جاتی تھی یہ کام قاری کا تھا۔ نقیب اپنی تقریر سے فوج کے جوش کو بڑھاتا تھا چنانچہ ابوسفیان ہر ہر دستہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔

اللہ اللہ! تم جوانانِ عرب اور حامیانِ اسلام ہو اور وہ رومی سپاہی اور شرک کے مددگار ہیں یا اللہ آج کے دن ایک یادگار دن ہے تو اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔

اسلامی فوج کے ایک شخص نے حضرت خالد سے کہا کہ رومیوں کی تعداد

بہت زیادہ ہے۔ اور مسلمان کم ہیں انھوں نے جواب دیا کہ مسلمان بہت زیادہ اور رومی بہت کم ہیں فوج کی کمی یا زیادتی تعداد پر نہیں بلکہ فتح اور شکست پر

رومیوں نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت شان کے ساتھ صف آرائی کی۔ حضرت خالد نے قلب کے دونوں بازوؤں کو جن پر عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو تھے حکم دیا کہ تیر اندازی کریں اس کے بعد عام حملہ کیا۔ خود قلب کے آگے تھے۔ اپنی فوج کو لئے ہوئے رومی سواروں اور پیادوں کے درمیان میں پہنچ گئے پہلے غنیم کے سواروں نے شکست کھائی اور ایک طرف بھاگ نکلے۔ مسلمان اپنی جگہ پر جمے رہے اور ان کو بھاگنے کا راستہ دیا اس کے بعد اسلامی فوجیں پیادوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو پیچھے ہٹا دیا۔ چونکہ ان کے پس پشت پہاڑ تھا۔ اس لئے ادھر راستہ نہ ملا بہت سے مارے گئے اور بقیہ دریا کی طرف پلٹے۔ مسلمانوں نے ان کو یہاں تک دبایا کہ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار پانی میں غرق ہو گئے۔

لڑائی دن بھر اور رات بھر جاری رہی اور جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رومی سپہ سالار کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بہت سے مسلمانوں نے اس جنگ میں نمایاں کام انجام دیا عکرمہ نے چلا کر کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑتا رہا۔ کیا آج میں رومیوں سے بھاگوں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتے

ورضرار بن ازور وغیرہ چار سو بہادر جانباز مسلمانوں نے بیعت کی۔ اور رات بھر خالد کے خیمے کے سامنے لڑتے رہے ان کے صبر و ثبات کا یہ عالم تھا کہ سب کے سب زخموں سے چور تھے۔ صبح کے وقت حضرت عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو اٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے گئے۔ انھوں نے دونوں کا سر اپنی ران پر رکھا۔ ان کے چہروں سے خاک جھاڑتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے۔ اسی حالت میں ان کی روحیں عالم قدس کو پرواز کر گئیں۔

مسلمان خواتین بھی اس جنگ میں اپنا دستہ الگ بنا کر رومیوں سے لڑیں بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ دن نکلتے نکلتے رومیوں سے میدان صاف ہوگیا۔ مسلمان شہدا کی تعداد تین ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جب ہرقل کو پہنچی تو حمص سے چلا گیا اور کہا کہ اے ملک شام تجھ کو یہ میرا آخری سلام ہے۔

رومیوں نے اسلامی فوج کا حال دریافت کرنے کے لئے ایک عرب جاسوس بھیجا تھا جب وہ واپس آگیا تو اس نے جو الفاظ مسلمانوں کی نسبت کہے وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں اس نے کہا کہ:

وہ لوگ رات میں فرشتے اور دن میں دیو ہیں۔ حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور زنا کرے تو سنگسار کر دیتے ہیں۔

اثناء جنگ میں مدینہ سے ایک قاصد خط لے کر آیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی اطلاع تھی۔ نیز یہ کہ حضرت خالد سپہ سالاری سے معزول اور ابو عبیدہ ان کے بجائے سپہ سالار عام کئے گئے۔

حضرت خالد نے یہ خط حضرت ابو عبیدہ کو مخفی طور پر دکھلا دیا اور اس خیال سے اشاعت نہیں کی کہ فوج میں بددلی نہ پیدا ہو جائے جب فتح حاصل ہو چکی تو اس خط کا اعلان کیا اور حضرت ابو عبیدہ کو امیر تسلیم کیا۔

یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی فوج جس کی تعداد صرف چھیالیس ہزار تھی کس طرح اپنے سے پانچ گنی رومی فوج پر غالب آگئی حالانکہ رومی فوج باقاعدہ مرتب ساز وسامان سے درست جنگ دیدہ اور کار آزمودہ تھی اور کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر چکی تھی۔

اس کا سبب جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ مسلمان سپاہی جو ان جنگوں میں شریک ہوتا تھا اس کے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا تھا کہ انجام کار فتح ہماری ہو گی۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات اور آنحضرت کے اقوال سے ان فتوحات عظیمہ کی بشارتیں اس کے کانوں میں پڑ چکی تھیں یہ اطمینان قلب اسکے حق میں تائید آسمانی کا کام دیتا تھا۔ علاوہ بریں وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا تھا کہ جنگ میں کام آگیا تو شہید نہیں تو غازی ہو گا لہذا اس کو نہ تو موت کی پرواہ ہوتی تھی۔ نہ وہ کسی خطرہ سے جی چراتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی

تھی کہ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو سپہ سالار بھی ایسے مل گئے تھے کہ دنیا کی تاریخ ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ خود حضرت خالد کو دیکھئے ان کے کارنامے صدر اول کی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جو سوا دو سال تھا، رومیوں اور ایرانیوں پر فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا۔

نظام داخلی

خلیفۂ اول کے عہد میں صرف جزیرہ عرب اسلامی انتظام کے ماتحت تھا۔ شام و عراق میں جنگ قایم تھی۔ وہاں کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام خود امرا لشکر سے متعلق تھا۔

کل عرب دس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک امیر مقدمات کے فیصلے۔ حدود شرعیہ کے اجرا اور نماز کے لئے مقرر تھا۔ خود وہی امیر قاضی بھی ہوتا تھا۔ صوبوں کی تفصیل مع امرا کے حسب ذیل ہے۔

(۱) مکہ۔ یہاں کے امیر عتاب بن اسید تھے جو زمانۂ رسالت میں مقرر ہوئے تھے۔

(۲) طائف۔ عثمان بن ابی العاص، یہ بھی عہد رسالت سے مامور تھے۔

(۳) صنعاء۔ مہاجر بن ابی امیہ نے ردّة کے بعد جب اس کو فتح کیا تو یہاں کے والی مقرر کئے گئے۔

(۴) حضر موت۔ زیاد بن ولید۔

(۵) خولان - یعلیٰ بن امیہ

(۶) زبید - (یمن) ابو موسیٰ اشعری

(۷) جند - معاذ بن جبل

(۸) جرش - عبداللہ بن ثور

(۹) بحرین - علاء بن حضرمی

(۱۰) نجران جریر بن عبداللہ بجلی۔

حضرت ابو بکرؓ نے کسی کو وزیر نہیں بنایا تھا۔ صرف حضرت عمرؓ ان کے مشیر تھے اور مقدمات کے بھی فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ جب تک شام کی مہم پر نہیں بھیجے گئے تھے امین بیت المال رہے۔ فرامین حضرت زید بن ثابت لکھتے تھے اور خطوط اور حالات وغیرہ حضرت عثمانؓ یا جو کوئی حاضر ہو۔

خلیفہ کا گذارہ خلافت سے قبل حضرت ابو بکرؓ کا ذریعہ معاش تجارت تھی خلیفہ ہو جانے کے بعد چھ مہینے تک وہ تجارت کرتے رہے اور اسی سے اپنا کام چلاتے رہے جب انھوں نے دیکھا کہ خلافت کی مہمات سے تجارت کی فرصت نہیں مل سکتی تو اس کو چھوڑ دیا۔

ان کے معمولی اخراجات اور عیال کے گذارہ کے لئے بیت المال سے چھ ہزار درہم یعنی تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر وہ ساری رقم جو آجتک

بیت المال سے وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ جو رقم میں نے لی ہے اس کے مطابق امت کی خدمت نہیں کر سکا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء پر بڑا بوجھ ڈال لیا۔

بیت ابوبکرؓ

اسلام سے پہلے انھوں نے دو نکاح کئے تھے ایک قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے جو قبیلۂ قریش میں سے تھیں۔ ان سے عبداللہ پیدا ہوئے۔ پھر حضرت اسماء جن کا لقب ذات النطاقین ہے۔ قتیلہ چونکہ اسلام نہیں لائیں اس لئے ان کو طلاق دے دی۔

زمانۂ اسلام میں دو نکاح کئے پہلے اسماء بنت عمیس کے ساتھ جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں ان سے محمد پیدا ہوئے۔ دوسرا حبیبہ بنت خارجہ سے جو قبیلہ خزرج میں سے تھیں اُن کے بطن سے ایک بیٹی اُم کلثوم حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

وفات

۷ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بخار آیا اور دو ہفتہ تک برابر آتا رہا۔ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء کو شام کے وقت انتقال فرمایا۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔ مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ایک روز۔

نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح کہ ان کا سر آنحضرتؐ کے دوش مبارک کے

بالمقابل رہے دفن کئے گئے۔

فضائل ابوبکر تمام مورخ متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر بڑے دولتمند اور مکہ میں نہایت معزز و محترم تھے انساب قریش اور ان کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مردوں میں سب سے پہلے یہی اسلام لائے اور اپنی دولت آنحضرت کی خدمت اور حمایت میں صرف کردی۔ انھیں کی کوشش سے بڑے بڑے سرداران قریش اسلام لائے۔ ہجرت کے موقع پر آنحضرت کی رفاقت کی تمام فضیلتیں انہی کو حاصل ہوئیں۔ مدینہ تک رفیق طریق رہے اور اپنا بقیہ سرمایہ بھی ساتھ لیتے گئے کہ آنحضرت کے کام آئے گا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا کر دیا لیکن ابوبکر کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے۔ ان کا بدلہ ان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ دے گا۔ تقوی زہد عقل اور متانت میں بھی وہ ممتاز تھے۔

انھیں فضائل کی وجہ سے وہ اس امت کے تمام لوگوں سے بلکہ بعد انبیاء کے کل بنی نوع انسان سے افضل تسلیم کئے گئے۔ اور اس کی پوری شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے۔ فتنہ ارتداد کو جس اولوالعزمی اور دانشمندی کے ساتھ تھوڑی سی مدت میں انھوں نے مٹا دیا وہ ان کی اس عظمت اور فوقیت کا جو جماعت صحابہ پر ان کو حاصل تھی نمایاں ثبوت ہے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت ابوبکر بیمار ہوئے اور ان کو اپنی موت کا احساس ہوا۔ تو مصلحت امت کے خیال سے ان کی یہ رائے ہوئی کہ کسی کو خلیفہ منتخب کر جائیں ان کے نزدیک حضرت عمر بن خطاب خلافت کے لئے زیادہ موزوں تھے لیکن مزید احتیاط کے خیال سے بڑے بڑے صحابہ سے بھی اس امر میں مشورہ لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور پوچھا کہ عمر کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں ان کو سب سے افضل سمجھتا ہوں لیکن ان کے مزاج میں کسی قدر سختی ہے۔ فرمایا کہ وہ سختی اس لئے کرتے ہیں کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں اگر خلافت ان کے سپرد کر دی جائے گی تو انکی سختی خود بخود کم ہو جائے گی پھر حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ میری بہ نسبت آپ خود ان سے زیادہ واقف ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اصرار کیا کہ تم اپنا خیال ان کے بارے میں ظاہر کرو۔ انھوں نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں

ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم میں سے کوئی شخص ان کے برابر نہیں اس کے بعد اور لوگوں سے بھی دریافت کیا۔

الغرض بعد مشورہ یہی رائے قرار پائی کہ حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے جائیں۔ ایک روز صحابہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے پاس جمع تھے وہ بیماری میں ایک شخص کے سہارے سے اپنے بالاخانہ پر چڑھے اور ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ

کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں تمہارے لئے مقرر کر دوں میں نے غور اور مشورہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور اپنے کسی قرابت دار کو نہیں تجویز کیا ہے بلکہ عمر کو اپنا جانشین بناتا ہوں سب لوگوں نے کہا کہ ہم کو منظور ہے اس کے بعد حضرت عثمان کو بلایا اور مندرجہ ذیل عہدنامہ لکھوا دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد نامہ حضرت ابوبکر بن قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقیدتمند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے واسطے عمر کو خلیفہ منتخب کیا لہذا ان کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو اس امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نیز اپنی ذات اور خود تمہاری خیر طلبی کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ

عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان ہے اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے ۔ میری نیت خیر خواہی کی ہے ۔ باقی میں غیب نہیں جانتا ۔

پھر حضرت عمرؓ کو نصیحتیں اور ہدایتیں کیں اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی ۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی ابتدا یوم سہ شنبہ ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۳ راگست ۶۳۴ء سے ہوئی ۔

ترجمہ عمرؓ حضرت عمرؓ بن خطاب بن نفیل قبیلہ قریش کی شاخ بن عدی سے تھے ان کی والدہ ختمہ بنت ہشام مخزومی تھیں آنحضرتؐ کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدائش ہوئی ۔ ابتدا ہی سے شہامت ، جرأت اور حق گوئی میں ممتاز تھے ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اول اول یہ رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کے مخالف ہو کر ان کو ایذا دینی شروع کی جس مسلمان پہ قابو چلتا اس کو مارتے اور ستاتے ۔ ایک دن اس بات پر تیار ہوئے کہ جا کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں ۔

آنحضرتؐ اس روز ارقم مخزومی کے مکان میں مسلمانوں کے ساتھ تھے ۔ یہ تلوار لے کر اسی طرف روانہ ہوئے ۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں اسی غصہ میں خود بہن کے گھر میں پہنچے وہ اس وقت قرآن کی ایک سورۃ جو قرطاس پر لکھی ہوئی تھی پڑھ رہی تھیں ان کو دیکھ کر وہ اوراق چھپا دیئے ۔

انھوں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں اور میں نے سنا ہے کہ تم نے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کو مارا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا اور بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ انھوں نے جوش میں آ کر کہا کہ میں بے شک مسلمان ہو گئی ہوں اور اس دین کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔

بہن کا خون دیکھ کر غصہ کم ہوا۔ قرآن کے اوراق مانگ کر پڑھنا شروع کیا ہدایت کا وقت آ چکا تھا۔ توفیق الٰہی شامل حال ہوئی ان کے پڑھتے ہی اسلام کی حقانیت دل میں بیٹھ گئی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

اگرچہ ان سے پہلے چالیس پچاس آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہیں کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو طاقت اور شوکت حاصل ہوئی یہ اہل قریش سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں جہاں وہ اس سے پہلے جانے پر مار کھاتے تھے نماز پڑھنے لگے۔

جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو مسلمان کافروں کے خوف سے مخفی طور پر مکہ سے نکل کر جاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ بیس مسلمانوں کو ساتھ لیکر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ہجرت کرتا ہوں۔ جس کو منظور ہو کہ اس کی ماں اس پر نوحہ کرے وہ اس وادی میں آ کر مجھ کو روکے۔ کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ سامنے جاتا۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ بعض بعض امور میں حضور کو مشورے بھی دیتے رہے اور کئی بار آیات قرآنی ان کے مشورہ

کے مطابق نازل ہوئیں۔

یہ اور حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ بھی قائم کیا اور ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ سے ان کے شوہر کے مقتول ہو جانے کے بعد نکاح کر لیا۔

خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی یہ بطور مشیر کے رہے۔ فصل قضایا کا کام بھی انھیں کے سپرد تھا۔ ان کی صحبت سے ان میں تحمل اور دور اندیشی کی صفت زیادہ بڑھ گئی۔ اور مزاج میں کسی قدر نرمی آگئی۔

خطبۂ خلافت خلیفہ اول کی وفات کے بعد جب اُن کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ:۔

عرب کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو۔ اُس کے رہنما کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے میں ربِ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا!

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ اسلامیہ کی اس عہد میں کس قدر صحیح تشخیص انھوں نے کی۔ کیونکہ وہ ایک فرماں بردار جماعت تھی۔ جو حکم دیا جاتا تھا وہی کرتی تھی اور جس بات کی ممانعت کی جاتی تھی اس سے باز رہتی تھی اس لئے ساری ذمہ داری خلیفۂ اُمت پر عائد ہوتی تھی کہ وہ کس راستہ پر اس کو لے چلتا ہے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سیدھے راستے پر لے چلوں گا۔

فتوحات

ایران

حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو عراق سے جب شام کی طرف بھیج دیا اور نصف فوج لے کر وہ روانہ ہو گئے تو مثنیٰ ابن حارثہ باقی نصف فوج کو لئے ہوئے حیرہ میں مقیم رہے۔ بہمن جادویہ لشکر لے کر ان کے مقابلہ کے لئے آیا۔ بابل کے قریب مثنیٰ نے اس کے سامنے صف آرائی کی سخت جنگ کے بعد اس کو شکست دی اور مدائن تک تعاقب کیا۔ پھر حیرہ میں واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں دربارِ خلافت سے کسی قسم کی اطلاع اور مدد نہ پہنچی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانی ایک ... لشکر ہمارے مقابلہ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اس لئے بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے خود مدینہ آئے کہ خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دیں اور ان سے درخواست کریں کہ جو مسلمان مرتد ہو چکے تھے اور اب ان کی توبہ اور ندامت ظاہر ہو چکی ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیں ...۔

جس روز مدینہ پہنچے وہ ابوبکر کی زندگی کا آخری دن تھا۔ انھوں نے ان حالات کو سُن کر حضرت عمر کو تاکید کی کہ مثنیٰ کے لئے فوج جمع کرنا۔

حضرت عمر کی بیعت کے لئے جب دیار و امصار کے لوگ آئے تو انھوں نے ان کے مجمع میں وعظ فرمایا اور ان کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ عربوں

پر چونکہ زمانۂ قدیم سے ایرانیوں کا رعب چھایا ہوا تھا۔ اس لئے ان کے مقابلہ میں جانے سے ڈرتے تھے۔ مثنیٰ نے اُٹھ کر کہا کہ:-

لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔ ہم نے ان کو آزما لیا ہے اور ان کے اوپر غالب رہے ہیں۔ ان کے زرخیز علاقے ہم نے چھین لئے ہیں اور وہ ہم سے دب گئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جوش دلایا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا۔ لہذا مسلمان فتح پا کر رہیں گے۔ روئے زمین انہیں کی وراثت ہے۔ اللہ کے نیک بندے کدھر ہیں؟

سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ نے کہا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ان کے بعد بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ ہی کو سب کا سردار مقرر کیا۔ کیونکہ وہی سب سے پہلے اس جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ وہ صحابی نہ تھے اور اس جمعیت میں بہت سے صحابہ شریک ہو گئے تھے اس وجہ سے لوگوں کو یہ اعتراض پیدا ہوا کہ صحابہ رسول کے ہوتے ہوئے غیر صحابہ کو کیوں امیر بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس تقرر میں تبدیلی کرنی مناسب نہ سمجھی مگر ابو عبیدہ کو یہ تاکید کر دی کہ تمہارے ساتھ صحابہ ہیں ان کی بات سننا اور ان کو مشوروں میں شریک کرنا۔

اس زمانہ میں ایران کے تخت پر ملکہ آزرمی دخت تھی۔ اس نے فارس کے ایک نامور سپہدار رستم کو کل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور جنگ کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیئے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہاتوں میں ہر طرف اپنے آدمیوں کو بھیج کر ایرانیوں کو مذہبی اور قومی حمیت کا جوش دیا اور مسلمانوں سے برگشتہ کر دیا۔ یہاں تک کہ فرات کے سواحل کے علاقے جو اسلامی قبضے میں آ چکے تھے پھر ہاتھ سے نکل گئے۔

ایران سے دو فوجیں نرسی اور جابان کی ماتحتی میں روانہ ہوئیں۔ جابان نمارق میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ ابو عبیدہ نے آگے بڑھ کر پہلے ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی۔

جابان کو قبیلہ ربیعہ کے ایک معمولی عرب نے جو اس کو پہچانتا بھی نہ تھا گرفتار کر لیا۔ جابان نے اس سے کہا کہ میں بڈھا ہوں تمہارے کس کام آؤں گا اگر تم مجھے امان دے دو تو میں تم کو دو جوان غلام دوں گا۔ اس نے امان دے دی۔ لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہی سالار فوج ہے پکڑ کر ابو عبیدہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے فریب دے کر امان لے لی ہے ایسے دشمن کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جب ایک مسلمان اس کو امان دے چکا ہے تو اب بدعہدی کسی صورت سے جائز

نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کو اس کی فرودگاہ تک پہنچا دیا۔

ایرانیوں کی یہ شکست خوردہ فوج مقام کسکر میں نرسی کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئی۔ ابو عبیدہ اس طرف بڑھے اور مقام سقاطیہ میں لڑ کر اس کو ہزیمت فاش دی۔

اس اطراف کے رؤسا اور دہاقین ابو عبیدہ کے مطیع ہو گئے۔ ایک دن بطور تحفہ کے ان کے لئے قسم قسم کے کھانے پکوا کر لائے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ فوج جو خون بہانے میں میرے ساتھ شریک ہے بلا اس کی شرکت کے میں تنہا کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔

رستم کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اس نے بہمن جادویہ کے ہمراہ پھر ایک فوج بھیجی اور اس کو درفش کاویانی جو ایرانیوں کے نزدیک فتح کا نشان تھا اور فریدون کے وقت سے خزانہ میں بطور تبرک کے محفوظ تھا، عطا کیا۔

فرات کے مشرقی ساحل پر یہ فوج اتری۔ دوسری جانب اسلامی لشکر تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو اس طرف آنے دو۔

ابو عبیدہ نے کہا کہ ہم خود اس طرف چل کر لڑیں گے۔ سرداران فوج نے جن میں مثنیٰ وغیرہ بھی تھے، ان کی رائے سے اختلاف کیا۔

اور کہا کہ اس صورت میں ہماری فوج تباہ ہو جائے گی۔ لیکن ابو عبیدہ نے نہیں مانا بالآخر کشتیوں کا پل باندھ کر اسلامی فوج دریا کے اس پار گئی۔

ایرانی لشکر میں بہت سے دیو پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے بندھے ہوئے تھے۔ عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر ٹھہر نہ سکے۔ مجبوراً عرب گھوڑوں پر سے کود کر پیادہ ہو گئے۔ ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر سواروں کو خاک پر گرا دیا۔ خود ابو عبیدہ پیل سفید پر جو سب سے بڑا تھا حملہ آور ہوئے تلوار سے اس کی سونڈ پر وار کیا۔ اس نے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے پسلیاں چور چور ہو گئیں۔

ایرانی چیرہ دستی کے ساتھ بڑھے چلے آتے تھے اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے اس نیت سے کہ مسلمان واپسی کا خیال چھوڑ دیں اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑیں جا کر پل کی رسیاں کاٹ دیں۔ اب جو مسلمان ہٹتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے تو پل موجود نہیں تھا۔ تقریباً چار ہزار آدمی دریا میں غرق ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ دیوار آہن کی طرح ایرانیوں کے مقابلے میں جم گئے اور ان کو روکے رکھا۔ پھر پل بندھوا دیا اور بقیہ فوج کو پار اتار لائے لیکن نو ہزار میں سے صرف تین ہزار بچے تھے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ابو عبیدہ کا رؤساء فوج کی رائے سے مخالفت کرنا جو کار آزمودہ تھے مناسب نہ تھا۔ اسی کے ساتھ

دوسری غلطی عبداللہ بن مرثد ثقفی سے ہوئی جس نے پُل کاٹ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اگر مثنیٰ ثابت قدمی کے ساتھ نہ جم گئے ہوتے تو یقیناً تمام اسلامی فوج میں سے کوئی نہ بچتا۔

یہ خبر جس وقت حضرت عمر کو ملی تو اُنھوں نے مسلسل فوجیں مثنیٰ کی امداد کے لئے روانہ کیں۔ جریر بن عبداللہ کو ان کے قبیلہ کے لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا۔ خود مثنیٰ نے بھی عراق سے ایک فوج مرتب کی اور یہ سارا لشکر بویب میں جمع ہوا۔

رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران کو جس نے عرب میں تربیت پائی تھی منتخب فوجیں دے کر روانہ کیا۔ وہ بھی بویب کے متصل پہنچ کر فروکش ہوا۔ دریائے فرات دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا۔ مہران نے مثنیٰ کو لکھا کہ یا ہم کو اس پار آنے دو یا تم خود اس پار آجاؤ۔ چونکہ واقعہ جسر کی یاد ابھی تازہ تھی۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا کہ تم خود اس طرف آجاؤ۔ ایرانی دریا کو عبور کر کے صف آرا ہوئے۔ مثنیٰ نے ان کے مقابلہ میں خالدیہ طریقہ پر اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔

اسلامی فوج میں قاعدہ یہ تھا کہ سردار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا پہلے نعرہ پر فوج مستعد، دوسرے پر آمادۂ پیکار اور تیسرے پر حملہ آور ہوتی تھی۔ مثنیٰ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ دوسری ہی تکبیر پر صف سے

آگے بڑھنے لگے۔ پوچھا کہ کیا بات ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ واقعہ جسر میں بھاگے تھے۔ آج اس کے کفارہ میں شہادت چاہتے ہیں۔ مثنیٰ نے نیزہ سے ان لوگوں کو دبایا۔ اور کہا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ دشمن جب آئیں تو ان کو روکو اور بلا وجہ جان نہ دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب تک ہم اپنی جانیں راہِ حق میں نہ دے دیں اس وقت تک گناہ سے پاک نہیں ہو سکتے پھر وہ صف میں اپنی جگہ پر آ گئے۔ لیکن بالآخر شہادت حاصل کی۔

یہ جنگ نہایت خونریز تھی۔ ایرانی قومی حمیت کے خیال سے بہت جوش و خروش کے ساتھ لڑے۔ لیکن مسلمان ان کے حملہ میں ثابت قدم رہے۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ مہران کے میمنہ پر حملہ کیا اور اس کو شکست دیتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگے۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا۔ جب ایرانیوں نے دریا کی طرف راستہ نہ پایا تو پشت پھیر کر دوسری طرف رُخ کیا۔ مسلمان تعاقب کرکے دُور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے۔ قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے مہران کو مار ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر پکارا کہ میں نے عجمی سپہ سالار کا کام تمام کیا۔

اس موقع پر مثنیٰ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے فوج کے سامنے اقرار کیا کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے میں نے آگے بڑھ کر جو پل کاٹ دیا تھا یہ اصولِ جنگ کے خلاف تھا۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانیوں

سے ہم کو فتح دے دی۔ لیکن آیندہ سے اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور جب تک فراریوں کے روکنے کی پوری قوت موجود نہ ہو اس طرح پر اُن کے راستے میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہیے۔

قادسیہ

اس شکست پر ایران میں کہرام مچ گیا اور وہاں کے امرا اور رؤسا مدائن مجتمع ہوئے۔ اُنھوں نے کہا کہ عورت کی حکومت اور باہمی اختلاف کا نتیجہ یہی ہونا کرتا ہے۔ رستم اور فیروز سے جو ایران کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور آپس میں دشمنی رکھتے تھے کہا کہ اگر اب بھی تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم پہلے تمہارا خاتمہ کر دیں گے۔ وہ بھی موقع کی اہمیت کو سمجھے اور نزاع کو چھوڑ کر متحد ہو گئے۔ آرزمی دخت کو تخت سے اُتارا اور اس کی بجائے یزدگرد کو جو اکیس برس کا تھا بادشاہ بنایا۔ اس کی تخت نشینی سے سلطنت کا سہارا پاکر عراق کے سرحدی مرزبان جن کو مسلمان فتح کر چکے تھے پھر باغی ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے یہ حالات سنے تو مثنیٰ کو لکھا کہ اپنی فوجوں کو جمع کر کے عرب کی سرحد کی طرف آجاؤ اور خود فوجی تیاری میں مصروف ہوئے۔ تمام قبائل عرب میں فرمان بھیجا کہ جہاں کہیں کوئی بہادر شہسوار، صاحب رائے شاعر یا خطیب ہو اس کو فوراً میرے پاس بھیجو۔ اس حکم کی تعمیل میں قبائل عرب سے ایک انبوہِ کثیر آکر مدینہ کے گرد جمع ہوا۔

حضرت عمرؓ نے مقدمہ پر حضرت کو میمنہ پر حضرت زبیر کو اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر فرمایا۔ چاہتے تھے کہ خود اس فوج کو لے جا کر ایرانیوں سے مقابلہ کریں لیکن مدبرین صحابہ نے ان کو روکا۔ لہذا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اس کا سپہ سالار بنایا۔

حضرت سعدؓ شجاعت میں بہت نامور تھے لیکن ان کی جنگی تدابیر پر زیادہ اعتماد نہ تھا اس لئے [illegible] لشکر کی مہمات زیادہ تر اپنے اختیار میں رکھیں۔

حضرت سعدؓ فوج کو لے کر روانہ ہوئے اور مقام زرود میں پہنچ کر اس کا شمار کیا تو یہ تیئس ہزار تھی۔ اُسے باقاعدہ مرتب کیا اور مختلف دستے بنا کر اُن کے الگ الگ افسر مقرر کئے۔ شراف میں پہنچے تو وہاں حضرت عمرؓ کا حکم ملا کہ قادسیہ جا کر قیام کرو۔ اس مقام سے ایران کا پایہ تخت مدائن تین منزل تھا۔

مثنیٰ جس کو لڑائی میں سخت زخم آ گیا تھا بستر مرگ پر سعد کے انتظار میں تھے قادسیہ میں پہنچ کر حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے لیکن یہ وصیت کر گئے ہیں کہ ایرانیوں سے جنگ ان کی سرحد میں کی جائے۔ اور قیام عربی سرحد کے قریب رکھا جائے تاکہ فتح ہو تو آگے بڑھتے چلے جائیں ورنہ اپنے ملک میں محفوظ رہیں۔

حضرت عمرؓ کے یہاں سے متواتر خطوط سعدؓ کے نام آتے رہتے تھے یہ بھی فرمان پہنچا کہ قادسیہ کی سرزمین اور غنیم کی فوجوں کا حال لکھو کیونکہ

میں نے بعض ضروری ہدایتیں اسی سبب سے نہیں لکھیں ہیں کہ مجھ کو موقع اور دشمن کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔

حضرت سعد نے اپنی فرودگاہ اور موقع جنگ وغیرہ کے مفصل حالات تحریر کئے اور لکھا کہ آرمینیہ کا رئیس رستم ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے۔ اور اپنی سپاہ لئے ہوئے مقام ساباط میں خیمہ زن ہے۔

دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ جنگ سے پہلے چند عقیل و فہیم مسلمانوں کو دربار ایران میں بھیجو تاکہ وہ دعوت اسلام دیں۔ حضرت سعد نے چودہ منتخب اشخاص کو بھیجا۔ یہ لوگ مدائن میں بادشاہ یزدگرد کے دربار میں گئے۔ اُس نے ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو نہایت ساز و سامان کے ساتھ سجایا تھا۔ یہ لوگ عربی قاعدے کے مطابق موزے پہنے اور ہاتھوں میں تازیانے لئے دربار میں داخل ہوئے۔ ان کی اس ہیئت سے ارکان سلطنت اور خود بادشاہ پر خوف چھا گیا۔

ترجمان کے توسط سے گفتگو ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے۔ نعمان بن مقرن نے جو وفد سفارت کے سرگروہ تھے جواب میں عرب کی قدیمی جہالت اور ان کے اسلام لانے کا حال بیان کیا۔ پھر کہا کہ ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی اقوام قریبی سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔ ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو۔ اگر اسلام لاؤ گے تو ہم

کتاب اللہ تمہارے حوالہ کر دیں گے کہ اس کے مطابق چلو اور تم کو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور اگر جزیہ دے کر ہماری حمایت میں آنا چاہتے ہو تو ہم یہ بھی منظور کر لیں گے اور تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہو گی۔ ورنہ جنگ کریں گے۔

یزدگرد نے کہا کہ دنیا میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور اور بدبخت نہ تھی جب تم ہم سے بغاوت کرتے تھے تو ہم سرحد کے کسی رئیس کو لکھ بھیجتے تھے وہ تم کو ٹھیک کر دیتا تھا۔ اب بھی ہم سے لڑائی سے باز آجاؤ اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکتے ہو۔ دو چار فتوحات جو تم کو حاصل ہو گئی ہیں اس سے دھوکے میں نہ آؤ۔ اگر تم نے مفلسی یا قحط سالی کی وجہ سے یہ غارت گری شروع کی ہے تو ہم تم کو کچھ دینے کے لئے بھی راضی ہیں اور تمہارے اوپر ایک ایسا حکمران مقرر کر دیں گے جو مہربانی کا سلوک کرے گا۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے لیکن مغیرہ بن زرارہ سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ میرے ساتھی شرفاء عرب ہیں۔ حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو پسند نہیں کرتے۔ مگر آپ نے جو کچھ فرمایا اس کے جواب میں یہ کچھ عرض کرتا ہوں۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہم ایسے ہی تھے۔ جیسا کہ آپ نے کہا ہم سے زیادہ بدبخت اور گمراہ کوئی قوم نہ تھی۔ ہماری مفلسی کا یہ حال تھا کہ ہم

سانپ، بچھو، حشرات الارض تک کو کھا جاتے تھے۔ زمین کی پشت ہمارا نشیمن تھی اور اونٹ کا اون ہمارا لباس۔ ہم ایک دوسرے کو لوٹتے اور اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک نبی پیدا کیا جو حسب ونسب اور اخلاق وعادات میں ہم سے ممتاز تھا۔ اوّل اوّل ہم نے اس کو جھٹلایا اور مخالفت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کی بات ماننے لگے۔ وہ جو کچھ کرتا تھا اللہ کے حکم سے کرتا تھا۔ اور جو کچھ کہتا تھا اللہ کے حکم سے کہتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں۔ جو اس کو مان لے اس کا وہی حق ہے جو ہمارا حق ہے۔ اور جو نہ مانے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے۔ مگر جو اس سے بھی انکار کرے اس کے لئے تلوار ہے۔ اب اگر آپ چاہیں تو جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں اور نہیں تو تیغ آزمائی کریں اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں کہ آپ کی جان اور سلطنت محفوظ رہے۔

یزدگرد نے برافروختہ ہو کر کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ جس نے ہم کو مخاطب کیا تھا وہی ہمارا بھی مخاطب ہے۔ یزدگرد بولا کہ اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں تم کو نہ چھوڑتا۔ جاؤ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اپنے سردار سے کہہ دینا کہ رستم آرہا

ہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر ڈالے گا۔

رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نجف میں خیمہ زن ہوا۔ اسلامی فوج اس کے بالمقابل تھی ایک عرصہ تک وہ لڑائی کو ٹالتا اور کوشش کرتا تاکہ کوئی صورت صلح کی پیدا ہو جائے لیکن نہ ہو سکی۔

حضرت سعد نے غنیم کی فوجوں کے حالات دریافت کرنے کیلئے بہت سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ انھیں میں سے ایک شخص طلیحہ رات کے وقت ایرانی لباس میں رستم کی فوج میں گئے۔ ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا بندھا ہوا تھا اس کو کھول کر خود اس پر سوار ہو گئے اور اپنے گھوڑے کو اس کے بجائے باندھ دیا۔ وہ ایک سردار کا گھوڑا تھا۔ جب اس کو پتہ لگا تو دو سوار لے کر ان کے پیچھے دوڑا۔ نزدیک پہنچ کر نیزہ مارا۔ انھوں نے وار خالی دیا اور پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اس کے سینے پر الیا برچھا مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں میں سے بھی ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو پکڑ لائے وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا نام مسلم رکھا گیا۔ ان کے ذریعے سے ایرانی فوج کے مخفی حالات مسلمانوں کو معلوم ہو گئے۔ مسلم آخر تک تمام معرکوں میں شریک رہے اور نہایت خلوص کے ساتھ جانبازی کے جوہر دکھائے۔

محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں میدان جنگ میں صف آرا ہوئیں ایرانیوں کے پس پشت نہر عتیق اور مسلمانوں کے پیچھے خندق تھی۔ درمیان میں

میدان جنگ تھا۔ حضرت سعد عرق النسا، کی بیماری کی وجہ سے حرکت سے معذور تھے۔ وہ میدان جنگ کے کنارے ایک قدیمی قصر کے اوپر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ کو محل کے نیچے کھڑا کر دیا تھا اور خود پرچوں پر حکم لکھ لکھ کر گولی بنا بنا کر اوپر سے پھینکتے جاتے تھے۔ خالد انہی ہدایتوں کے مطابق فوجوں کو احکام پہنچاتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعد نے تین تکبیریں کہیں اور حملہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کو جو سب سے بڑی دشواری پیش آتی وہ ہاتھیوں کی تھی۔ ان کو دیکھ کر عربی گھوڑے بھاگنے لگے اور سواروں کے ساتھ پیدل فوج کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت سعد نے قبیلہ بجیلہ کے سردار طلیحہ کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں سے مسلمانوں کو بچاؤ۔ طلیحہ نے اپنے قبیلہ کو مخاطب کر کے کہا کہ یارو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے ان لوگوں نے جوش میں آ کر ہاتھیوں پر تیر برسائے اور ان کے سواروں کو گرا دیا۔ بنی اسد کا قبیلہ بڑی مشکلوں سے ہاتھیوں کے ریلے سے بچایا گیا۔ تاہم ان میں سے پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے۔

میمنہ اور میسرہ نے بھی خفیف حملے کئے اور کسی قدر رات تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس روز بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔

دوسرے دن مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھا لائے۔ شہیدوں کو دفن کیا اور زخمیوں کو عورتوں کے حوالے کیا کہ مرہم پٹی کریں اس

کے بعد لشکر کی صف آرائی کی۔ اسی اثنا میں شام کی طرف سے حضرت عمر کے فرمان کے مطابق وہ فوج جس کو حضرت خالد عراق سے لے گئے تھے امداد کے لئے آگئی۔ اس کے امیر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد کے بھتیجے تھے اس کے آجانے سے مسلمانوں کو تقویت پہنچ گئی۔

اس روز عربوں نے اونٹوں کو جھول اور برقعہ پہنا کر اس طرح کا مہیب بنایا تھا کہ جس طرف کا وہ رُخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے۔ ان سے وہی آفت ایرانیوں پر نازل ہوئی جو پہلے دن ہاتھیوں سے مسلمانوں پر نازل ہوئی تھی۔ آدھی رات تک جنگ جاری رہی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ ایرانی سرداروں میں سے بہمن اور بزرجمہر قعقاع کے ہاتھ سے اور سیستان کا شہزادہ شہر براز اعود بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

حضرت ابو محجن جو ایک بہادر صحابی تھے ان کو شراب پینے کے الزام میں حضرت سعد نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا وہ اس لڑائی کو دیکھ کر جوش سے بیتاب ہو گئے اور سعد کی بیوی سلمہ سے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں جا کر جہاد کروں گا۔ اگر زندہ بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمٰی نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ حضرت سعد کے گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ لئے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور للکار کر اس طرح دشمنوں پر گرے کہ ان کی صفیں الٹ دیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون شخص ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد

کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کو رہا کر دیا اور کہا کہ جو شخص اس طرح اسلام کے اوپر اپنی جان نثار کر دے میں اس کو کبھی سزا نہیں دوں گا۔ ابو محجن نے کہا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

تیسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو پھر وہی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے آئی۔ دو ہاتھی سب سے بڑے تھے ان میں سے ایک کی دونوں آنکھوں میں دو مسلمانوں نے ایک ساتھ نیزہ مارا اور تلوار سے اس کی سونڈ کو کاٹ دیا اس نے اس زور سے سر ہلایا کہ فیلبان نیچے گر پڑا، پھر وہ ہاتھی خود گر پڑا اور دوسرے ہاتھی کے ساتھ بھی انھوں نے یہی کیا وہ زخم کھا کر منہ موڑ کر نہر کی طرف بھاگا۔ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو گئے۔ اور ایرانیوں کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اب مسلمانوں نے بے خوف ہو کر شدت کے ساتھ ایرانیوں پر دباؤ ڈالا۔ رات بھر برابر جنگ جاری رہی اور سوائے تلواروں اور گھوڑوں کی آوازوں کے اور کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ صبح کو قعقاع نے پکارا کہ فتح کے لئے ایک گھڑی کا صبر اور درکار ہے۔ مسلمان ثابت قدمی سے لڑتے رہے ظہر سے پہلے پہلے ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں نے شکست کھائی پھر مسلمان سیلاب کی طرح قلب کی طرف بڑھے اور درفش کاویانی چھین لیا۔ رستم اپنے تخت سے اتر کر خود مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا لیکن زخم کھا کر بھاگا اور نہر میں کود کر جا ہا کہ

اس پار نکل جائے۔ ہلال بن عرفہ نے پانی میں سے اس کو کھینچکر قتل کردیا۔
اس جنگ میں ایرانی ہر چند نہایت پامردی سے لڑے لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ تیس ہزار کشتے میدان جنگ میں چھوڑ کر وہ بھاگ گئے۔ مسلمان شہداء کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی۔ حضرت سعد نے دربار خلافت میں فتح نامہ لکھا۔

قادسیہ کی لڑائی کے متعلق حضرت عمر نہایت فکرمند رہتے تھے۔ ہر روز صبح کو قاصد کے انتظار میں مدینے سے باہر نکلتے اور دوپہر کو واپس چلے جس روز ناقہ سوار فتح نامہ لے کر پہنچا تو مدینہ کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمر اس سے ملے اور حالات پوچھنے لگے وہ سواری کو تیزی سے لئے آرہا تھا اور ان سے حالات کہتا جاتا تھا۔ وہ پیچھے پیچھے دوڑتے چلے آتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے پر جب ان کو لوگوں نے امیرالمومنین کہکر سلام کیا اس وقت قاصد کو معلوم ہوا۔ اس نے کہا۔ اللہ رحم کرے۔ آپ نے پہلے سے کیوں مجھے نہ بتلایا کہ میں رک جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں پھر اس سے خط لے کر مجمع عام میں لوگوں کو سنایا۔

اس کے بعد سعد نے دوسرا خط لکھا کہ میرے پاس بہت سے ایسے لوگ آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایرانی امراء نے ہمیں زبردستی پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا ہم اپنی خوشی سے نہیں لڑتے تھے اور اب وہ امان کے طالب

ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ جو لوگ امان چاہتے ہیں امان دے دی جائے اور جو گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں ان کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہیں تو ذمی بنکر اپنے گھروں میں آجائیں۔

حضرت عمر کو یہ خوف بھی تھا کہ مسلمانوں کے پس پشت ابلہ کی طرف سے عجمی کہیں آکر نہ ان کے اوپر حملہ کر دیں۔ اس لئے مدینہ سے فوج کا ایک دستہ عتبہ بن غزوان کے ساتھ اس طرف روانہ کیا تاکہ وہ ایرانیوں کو اسلامی فوج کی طرف آنے سے روکے۔ یہ لوگ اس مقام پر ٹھیرے جہاں اب بصرہ ہے اور ابلہ کو ۱۴ھ میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد بصرہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس کی آبادی شروع ہوئی۔ قادسیہ میں حضرت سعد جب دو مہینے آرام کر چکے تو مقام برس کی طرف جہاں ہرمز شکست خوردہ فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا بڑھے۔ مسلمانوں کو ایرانیوں سے مال غنیمت میں اس قدر گھوڑے ملے تھے کہ بیشتر اسلامی فوج سوار تھی۔ ہرمز زیادہ مقابلہ نہیں کر سکا اور بابل کی طرف بھاگ گیا۔ وہیں تمام ایرانی لشکر جمع تھا۔ جس کا سردار فیروز تھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر ایک ہی حملہ میں اس کو شکست دیدی اور اس کے پیچھے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ مقام کوثی میں مقابلہ ہوا ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار خود میدان میں آیا۔ زہرہ نے اس کے مقابلہ میں ایک غلام نابل کو بھیجا۔ نابل نے اس کو قتل کر دیا۔

بابل کے مرزبانوں نے حضرت سعد سے آکر صلح کرلی۔ پھر وہ کوثی ہوتے ہوئے بہرہ شیر کی طرف روانہ ہوئے۔ دو مہینہ تک اس کا محاصرہ کیا اس دوران میں اس اطراف کے رئیسوں سے بھی عہد نامے کئے۔

ایرانی فوج قلعہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتی تھی۔ ایک دن سب مستعد ہوکر نکلے۔ زہرہ کی زرہ کی کڑیاں جا بجا سے نکلی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا دوسری زرہ پہن لیجئے۔ انھوں نے جواب دیا میں ایسا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف آئیں۔ اس روز پہلا تیر ان کو لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو بولے کہ نہ نکالو جب تک یہ جسم میں ہے اسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں۔ اسی حالت میں لڑتے ہوئے آگے بڑھے اور ایرانی فوج کے ایک سردار شہریراز کو قتل کیا ایرانی قلعہ میں بھاگ گئے اور بالآخر مصالحت کرلی۔

مدائن

بہرہ شیر اور مدائن کے بیچ میں دریائے دجلہ حائل تھا۔ حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ یزدگرد مدائن کے تمام ذخیرے منتقل کر رہا ہے اس لئے عجلت کے ساتھ بڑھے۔ ایرانیوں نے پل توڑ ڈالا تھا حضرت سعد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر کل مسلمانوں نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دئے۔ دریا موجیں مار رہا تھا لیکن اسلامی فوج رکاب سے رکاب ملائے آپس میں باتیں کرتی ہوئی پار نکل آئی اس کی ترتیب میں بھی فرق نہیں آیا ایرانی کنارے پر کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے انھوں نے کہا کہ یہ انسانوں کا

کام نہیں ہے۔ وہ چلا اٹھے کہ "دیو آمدند" مدائن کی فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ یزدگرد اپنے اہل و عیال کو لے کر حلوان کی طرف بھاگا جو رہ گئے تھے اُنھوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ ایوانِ کسریٰ میں شکریہ کی نماز پڑھی گئی پھر جمعہ کی نماز بھی اسی میں ادا کی گئی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں مسلمانوں نے پڑھا۔

حضرت سعد نے ان تمام مورتیوں کو جو شاہی محل میں تھیں بدستور رہنے دیا۔ اور ان کے توڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد ساز و سامان اور ذخیرے فراہم کئے گئے۔ اس میں سے پانچواں حصّہ دربار خلافت میں بھیجا گیا جس میں ایک فرش ساٹھ گز لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا۔ اس میں بہاریہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ قسم قسم کے درخت اور گل بوٹے زر و جواہرات کے تھے۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ یہ محفوظ رکھا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی مخالفت کی۔ آخر اس کے پرزے پرزے کر کے تقسیم کر دئے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقدس زمانہ میں زخارف دنیوی کس قدر لغو اور فضول خیال کئے جاتے تھے۔

جلولار ایرانیوں کی ہزیمت خوردہ فوج جب جلولار میں پہنچی تو امرار نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر آج ہم سب لوگ منتشر ہو گئے تو پھر اجتماع نہ ہو سکے گا اور یہی جگہ ہے جہاں سے مختلف صوبوں کے لوگ

متفرق ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہاں جم کر عربوں سے ایک آخری لڑائی لڑیں۔ اگر کامیاب ہوئے تو ملک کو بچالیں گے، نہیں تو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے۔ یہ سوچ کر مورچہ بندی کی اور اردگرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف کانٹے اور گوکھرو بچھا دئے صرف اپنی گزرگاہیں محفوظ رکھیں۔ حضرت سعد نے دربار خلافت کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ وہ صفر ۱۶ھ مطابق مارچ ۶۳۷ء میں بارہ ہزار فوج لے کر جلولاء پہنچ گئے اور دشمنوں کا محاصرہ کیا ایرانی مورچہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتے تھے اور پھر اسی میں پناہ گزین ہو جاتے تھے ان کے پاس سامان رسد جمع تھا۔ علاوہ بریں یزدگرد حلوان سے سلسلہ وار کمک اور خوراک بھیجتا تھا۔ مسلمانوں نے محاصرہ سے تنگ آکر ایک دن دل توڑ کر حملہ کیا اور ان کی خندقوں میں گھس گئے۔ حملہ آوروں میں سب سے آگے قعقاع تھے۔ ایرانی بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور غنیم کا خانقین تک تعاقب کیا۔ یزدگرد نے جب اس شکست کی خبر سنی تو حلوان چھوڑ کر رے کی طرف چلا گیا۔ قعقاع نے پہنچ کر حلوان پر قبضہ کر لیا اور وہاں فوج کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ سرحد کی حفاظت کرے کیونکہ یہ مقام کوہستانی اور میدانی علاقوں میں حد فاصل تھا۔

حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ مسلمان اپنی فتوحات کو سواد عراق تک محدود

رکھیں۔ ایک خط میں انھوں نے لکھا بھی تھا کہ کاش ہمارے اور غنیم کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے نہ وہ ہماری طرف۔ مجھے مسلمانوں کی سلامتی مال غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت سعدؓ نے اپنے کاتب زیاد کے ہمراہ خمس غنیمت مدینہ کو روانہ کیا۔ زیاد نے حضرت عمرؓ سے مفصل حالات بیان کئے۔ وہ ان کی فصاحت سے خوش ہوئے اور پوچھا کہ مجمع عام میں اسی طرح بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا کہ دنیا میں کسی شخص کا رعب میرے اوپر اتنا نہیں ہے جتنا آپ کا۔ جب میں نے آپ کے سامنے بیان کر لیا تو اوروں کے سامنے کیوں نہ بیان کر سکوں گا چنانچہ انھوں نے مجمع عام میں تمام حالات جنگ سنائے اس وقت شام ہو گئی تھی اس لئے مال غنیمت رکھ دیا گیا۔ صبح کو تقسیم ہوا درہم اور دینار کے علاوہ جواہرات کے ڈھیر تھے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھ کر روئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے ساتھ ہی ساتھ رشک و حسد بھی آتے ہیں۔

سعدؓ نے مدائن سے عبداللہ بن معتم کے ہمراہ ایک فوج تکریت کی طرف روانہ کی۔ وہاں ایرانی جمع تھے اور اردگرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا اس درمیان میں چوبیس حملے کئے اور ہر ایک میں کامیاب رہے۔

ایرانیوں کے ساتھ نصارائے عرب بھی شریک تھے انھوں نے ابن معتم

سے صلح کی درخواست کی جو اس شرط پہ منظور ہوئی کہ جب تم ہماری تکبیر سنتا تو خود اللہ اکبر کے نعرے لگا دینا۔ دوسرے دن جب مسلمانوں نے خندق کی طرف ہجوم کیا اور تکبیر پکاری تو ان نصاریٰ نے بھی ادھر سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ ایرانیوں کو یہ شبہ ہوا کہ پیچھے سے بھی مسلمان آ گئے۔ اس لئے وہ بھاگتے ہوئے ادھر آئے جدھر ابن معتم کی فوج تھی مسلمان ٹوٹ پڑے اور بیشمار ایرانی قتل ہوئے۔

مدائن سے ایک دوسرا دستہ حضرت عمر کے بھائی ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبذان کی طرف گیا اور اس شہر کو فتح کیا۔ عمر بن مالک بھی تھوڑی سی فوج لئے ہوئے ہیت اور قرقیسا کی طرف گئے اور ان مقاموں پر قبضہ کیا۔ اطراف و دیار کے باشندوں نے آکر جزیہ پر مصالحت کی۔ تمام خطہ عراق میں امن قائم ہو گیا۔ انتظام کے لئے عمال مقرر کر دیے گئے اور رعایا اطمینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی جابجا فوجیں متعین کر دی گئیں۔

آبادی کوفہ

عراق سے جو لوگ مدینہ آتے تھے۔ حضرت عمر ان کے رنگ کو متغیر اور ان کے جسم کو کمزور پاتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سواحل دجلہ کی آب و ہوا اہل عرب کو راس نہیں آئی اس لئے سعد کو حکم دیا کہ سلمان اور حذیفہ کو بھیجو کہ وہ دریائے فرات کے مغرب میں کوئی ایسی جگہ تلاش

کریں جو عربوں کے لئے مناسب ہو اور میرے اور ان کے درمیان پانی اور پُل حائل نہ ہو۔ سعد نے ان دونوں آدمیوں کو روانہ کیا۔ وہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں کوفہ آباد کیا گیا۔ یہ ریتلی زمین تھی جس میں سنگ ریزے ملے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ دُعا کی اور سعد کو مطلع کیا انھوں نے خلیفہ کو لکھا۔ حکم آیا کہ فوجیں لے کر اسی مقام پر چلے جاؤ۔ وہ سب کو ساتھ لے کر محرم ۱۷ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قیام کیا۔

حضرت عمر کی رائے تھی کہ فوج خیموں میں رہے۔ پھر انھوں نے چھپر بنانے کی اجازت دے دی۔ مگر ایک بار آتشزدگی کا حادثہ ہوا جس سے سخت نقصان ہو گیا اس لئے ابوالہیاج کو بھیجا کہ وہ اینٹ اور گارے سے شہر کے مکانات تعمیر کرائیں۔ پہلے بیچ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کے چاروں طرف بقدر ایک ایک تیر کے پرتے کے زمین چھوڑ کر شہر کی تعمیر شروع کی گئی۔ بڑی سڑکیں چالیس ہاتھ درمیانی تیس ہاتھ اس سے چھوٹی بیس ہاتھ اور گلیاں سات ہاتھ عرض کی رکھی گئیں مسجد سے ملحق دو سو ہاتھ لمبا ایک سائبان بنایا گیا جس میں سنگ سرخ کے ستون ایوان کسریٰ سے لا کر لگائے گئے۔ حضرت عمر نے باوجود اس کے کہ ان ستونوں کا کوئی وارث نہ تھا ان کی قیمت ایرانی رعایا کے جزیہ میں مجرا کر دی۔

اسی کے ساتھ بیت المال تھا جس کے سامنے حضرت سعد کے لئے ایک مکان بنایا گیا۔

بصرہ میں اگرچہ مسلمان ۱۴ھ میں آ گئے تھے لیکن اس کی آبادی بھی کوفہ کے ساتھ اور اسی روش پر ہوئی۔ اس وقت سے یہ دونوں مقامات فوجوں کے مرکز مقرر کئے گئے جہاں سے مشرقی مہمات کے لئے لشکر بھیجے جاتے تھے۔

جزیرہ خلیفہ کے حکم سے کوفہ سے فوج کے تین دستے روانہ کئے گئے پہلا سہیل بن عدی کی ماتحتی میں رقہ کی طرف دوسرا عبداللہ بن عتبان کے ساتھ نصیبین کو۔ تیسرا عقبہ بن ولید کے ہمراہ جزیرہ کے عربی باشندوں کو دبانے کے لئے ان تینوں لشکروں کے سپہ سالار عام حضرت عیاض بن غنم تھے ان فوجوں کے بھیجنے سے حضرت عمر کا مقصد یہ تھا کہ جزیرہ سے جو عیسائی عرب حمص میں جاکر رومی فوجوں کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں وہ نہ جا سکیں۔ چنانچہ جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کے دیار پر لشکر کشی ہوئی ہے تو واپس آ گئے اور شام کی اسلامی فوجوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

عیاض جب مقام رہا میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ حران والوں نے بھی یہی کیا۔ پھر نصیبین فتح ہوا۔

جزیرہ میں جو عرب بستے تھے ان میں سے بیشتر اپنی زمینیں چھوڑ کر رومی علاقوں میں چلے گئے تھے۔ ان کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ واپس آنے کے

لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ اس کو وہ ذلت سمجھتے تھے۔ البتہ صدقہ کے نام سے دوسرے لوگوں سے دُگنا دے دیں گے۔ چونکہ مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو نفرت نہ دلائی جائے۔ اس لئے خلیفہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ان سے صدقہ ہی کے نام سے لیا جائے اور جزیہ کا ذکر نہ کیا جائے۔

فتح اہواز

خوزستان کا سب سے بڑا شہر اہواز حدود بصرہ پر واقع تھا وہاں ہرمزان اپنی فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا جو کبھی کبھی اسلامی مقبوضہ میں بڑھ کر غارت گری کرتی تھیں۔ امیر بصرہ عتبہ بن غزوان نے ان پر فوج کشی کرنے کے لئے حضرت سعد سے امداد طلب کی۔ اُنھوں نے کمک بھیجی۔ ایرانی فوجوں نے مقابلہ میں شکست کھائی۔ ہرمزان نے اہواز اور مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کے حوالہ کر کے صلح کر لی۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے معاہدہ کو توڑ کر کردوں کو ساتھ لے کر چڑھائی کی۔ عتبہ نے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ انھوں نے متواتر فوجیں بھیجیں جو اہواز کے پُل کے متصل ہرمزان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں۔ وہ ہزیمت اُٹھا کر بھاگا۔

حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ ہرمزان نے عہد شکنی کہیں اس خیال سے نہ کی ہو کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ پر سختی کی ہو اس لئے عتبہ کو فرمان بھیجا کہ تم

معتبر لوگوں کی ایک جماعت جس میں دس آدمی کوفہ کے بھی ہوں میرے پاس بھیجو تاکہ میں ان سے اصلی کیفیت دریافت کروں۔ عتبہ نے اس کی تعمیل کی اور وفد روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ مسلمان اہل ذمہ پر ظلم تو نہیں کرتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مطلق نہیں۔ مسلمانوں کا برتاؤ قابل تعریف ہے۔ اُنھوں نے وفد کو واپس کیا۔ اور عتبہ کو لکھا کہ لوگوں پر تاکید رکھو کہ وہ ظلم اور بیوفائی سے بچیں۔ ہم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفائے عہد سے دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر یہ نعمتیں ہم سے چھین لے۔ ہم اس کے حکم کے مطابق چلیں گے تو ہماری مدد کرے گا۔

فارس پر حملہ

حضرت علاء بن حضرمی بحرین کے امیر حضرت سعد بن وقاص کے حریف تھے۔ خلیفہ اول کے وقت میں فتوحات ردت میں انھوں نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی تھی۔ ادھر مہم عراق اور خاص کر قادسیہ کی فتح سے جب حضرت سعد کی شہرت اور عظمت زیادہ ہو گئی تو ان کو رشک پیدا ہوا۔ اُنھوں نے چاہا کہ میں بھی اہل عجم کے مقابلہ میں کوئی ایسا کارنمایاں انجام دوں کہ میرا رتبہ سعد سے کم نہ رہے۔ یہ سوچ کر دربار خلافت کی منظوری کے بغیر ہی بحرین سے کشتیوں پر فارس کی طرف ایک فوج بھیجی۔ جب کنارے پر اُتر کر اصطخر کی طرف بڑھی تو اہل فارس نے آکر گھیر لیا۔ یہ لوگ لڑتے ہوئے آگے نکل آئے۔ چونکہ فارس

لشکر ان کے اور کشتیوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس نے مجبوراً خشکی کی راہ سے بصرہ کی طرف چلے۔ ادھر ایک ایرانی مرزبان شہرک راستہ روکے ہوئے پڑا تھا۔ اس وجہ سے رُک گئے۔

حضرت عمر کو جس وقت یہ اطلاع ملی تو ناراض ہو کر علاء بن حضرمی کو معزول کر دیا اور جو امر ان کے اوپر سب سے زیادہ شاق تھا اسی کا حکم دیا یعنی یہ کہ کوفہ میں جاکر سعد بن ابی وقاص کی ماتحتی میں رہیں اور عتبہ بن غزوان والی بصرہ کو فرمان بھیجا کہ لشکر روانہ کر کے ان مسلمانوں کو جن کو علا بن حضرمی نے تری کی راہ سے بھیجا اور خشکی میں محصور ہو گئے ہیں دشمنوں کے نرغہ سے نکالیں۔ عتبہ نے بارہ ہزار سپاہی ابو سبرہ کی ماتحتی میں بھیجے وہ ساحل کے راستے سے گئے، شہرک کو شکست دی۔ محصورین کو ساتھ لے کر بصرہ واپس آئے اور وہاں سے ان کو بحرین پہنچا دیا۔

اہواز، مناذر و تستر

بادشاہ یزدگرد رے سے جاکر مرو میں مقیم ہوا اور وہاں عجمیوں کو عربوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ چنانچہ فارس اور خوزستان کے رؤسا نے باہم مراسلت کر کے ایک جتھا باندھا اور اہل عرب کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

امرائے سرحد نے خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دی۔ انھوں نے سعد کے نام فرمان بھیجا کہ ایک لشکر گراں نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں خوزستان کی

طرف روانہ کرو۔ نیز بصرہ کے والی کو بھی حکم لکھا کہ سہیل بن عدی کی ماتحتی میں تم بھی ایک فوج اس طرف بھیجو۔ کوفہ اور بصرہ کی ان دونوں فوجوں کے سپہ سالار عام ابو سبرہ مقرر کئے گئے۔ نعمان ہرمز کی طرف بڑھے۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور وہاں سے بھاگ کر تستر میں چلا گیا۔ نعمان نے پہنچ کر تستر کا محاصرہ کیا۔ بصرہ کی فوج بھی یہاں آ گئی۔ کئی مہینے تک محاصرہ رہا۔ مسلمانوں نے دوران محاصرہ میں اسی حملے کئے جن میں کبھی ایرانی اور کبھی مسلمان غالب رہتے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک رات کو اس نہر میں سے جو شہر میں سے گزرتی تھی داخل ہو کر فصیل کے دروازے کھول دیئے اور شہر کے اندر گھس گئے۔ ہرمزان نے اوپر کے برج سے پکارا کہ میں اس شرط پر اترنے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھے اپنے خلیفہ کے پاس بھیجدو وہ میری بابت جو حکم دینگے میں اسی پر راضی ہوں ابو سبرہ نے اس کو ایک وفد کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔

حضرت عمر اس وقت اکیلے مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔ ہرمزان یہ سمجھتا تھا کہ ان کا دربار بڑی شان و شوکت کا ہوگا۔ پوچھا کہ بادشاہ کہاں ہے۔ لوگ اس کو مسجد میں لے گئے۔ اس نے دیکھا کہ نہ دربان ہے نہ پاسبان اور وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہیں۔ پوچھا کہ کیا یہ نبی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں ہیں لیکن نبی کے طریقے پر چلتے ہیں۔ حضرت عمر نے ترجمان کے توسط سے گفتگو شروع کی۔ فرمایا کہ تم نے اپنی بے وفائیوں اور بدعہدیوں کا مزا چکھا۔ ہرمز

نے کہا کہ اے عمر! جاہلیت میں جب خدا نہ تمہارے ساتھ تھا نہ ہمارے ساتھ
ہم ہمیشہ تم پر غالب رہے اب اس نے تمہارا ساتھ دیدیا اس لئے تم غالب آگئے۔
حضرت عمر نے کہا تم یہ بتاؤ کہ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ بار
بار معاہدے کر کرکے ان کو توڑتے رہے۔
جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ جب پیالہ
لایا گیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں پانی پینے
کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔
جب تک اس پانی کو تم نہیں پی لوگے قتل نہیں کئے جاؤ گے۔
یہ سُن کر اس نے پانی کو پھینک دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں
تھی۔ میں تو امان لینا چاہتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔
اس نے کہا کہ آپ مجھ کو امان دے چکے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو لیکن انس
بن مالک اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ یا امیر المومنین! جو الفاظ آپ نے
فرمائے ان سے اس کو امان مل گئی۔ حضرت عمر نے کہا کہ افسوس ہے ہم کو پتہ
بھی نہ لگا اور اس نے امان لے لی۔
اس کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا اور کہا میں نے یہ تدبیر اس لئے کی
کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ قتل کے خوف سے اسلام لایا۔ حضرت عمر اس کی بدعہدیوں
کی وجہ سے اس سے سخت ناراض تھے اور قتل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے

اسلام لانے سے خوش ہو گئے۔ مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ ایران کے معاملات میں اس سے مشورے بھی لیا کرتے تھے ہرمزان کے ساتھ جو وفد آیا تھا اس سے بھی حضرت عمر نے دریافت کیا کہ عجمی بار بار جو عہد شکنی کر ڈالتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ کچھ برا برتاؤ کرتے ہیں۔ اہل وفد نے کہا کہ مسلمانوں نے عہد کی خلاف ورزی کہیں نہیں کی ہے اور بالعموم اہل ذمہ کے ساتھ ان کا سلوک اچھا ہے۔ حضرت عمر نے کہا پھر کیا بات ہے جو اہل عجم اپنے عہد قائم نہیں رہتے۔ احنف بن قیس نے جواب دیا کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ جو علاقہ ہمارے ہاتھ آ چکا ہے اسی پر ہم قناعت کریں۔ اور آگے نہ بڑھیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ ابھی تک اپنے ملک میں موجود ہے وہ اہل عجم کو ہمارے خلاف اکساتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بغاوت اور سرکشی کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں نہیں رہ سکتیں۔ اگر ہم کو عراق کی حدود سے آگے بڑھنے کی اجازت ملے اور ہم ان کو ملک سے باہر نکال کر اپنا تسلط جمالیں تو پھر ایرانی خاموش ہو جائیں گے اور ان کو کوئی بھڑکانے والا نہیں رہے گا۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا اور اب اصلی وجہ میری سمجھ میں آگئی اس کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانی فوجیں نہاوند میں جمع ہو رہی ہیں۔

اس سے احنف کے قول کی اور بھی تصدیق ہوئی۔

نہاوند

یزدگرد اور بالعموم ایرانیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ عربوں کا سیلاب زیادہ سے زیادہ عراق کے حدود پر آکر رُک جائے گا۔ ایرانی سلطنت پر وہ پیش قدمی نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر مرد سے اس نے عجمی رئیسوں اور مرزبانوں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور جابجا سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ جنگ آور فراہم کئے۔ نہاوند میں ان کا اجتماع ہوا۔ نعمان بن مقرن تیس ہزار فوج لے کر ان کے مقابلہ کے لئے گئے نہایت ہولناک جنگ ہوئی۔ میدان میں خون کی کثرت سے گھوڑوں کی ٹاپ پھسلنے لگی۔ نعمان زخم کھاکر گھوڑے سے گرے۔ لیکن حکم دیا کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے دشمنوں پر بڑھو ان کے بجائے حذیفہ بن یمان نے علم سنبھالا۔ شام کے وقت ایرانی فوج نے شکست کھائی۔ قعقاع فوج کے دستے لئے ہوئے ہمدان تک ان کے تعاقب میں گئے اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتح کے بعد ایک سپاہی نعمان کے قریب سے گزرا۔ اُتر کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے۔ سر اٹھایا انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔ پوچھا کہ کیا ہوا۔ اس نے کہا کہ فتح! کہا کہ اللہ کا شکر ہے۔ امیر المومنین کو جلد اس کی اطلاع بھیجدی جائے یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں حضرت عمرؓ کو جب اس فتح کا حال معلوم ہوا

تو بہت خوش ہوئے۔ لیکن نعمان کے غم میں بہت روئے۔

اس جنگ میں تقریباً تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا اس کے بعد پھر وہ کوئی بڑی لڑائی نہیں لڑ سکے۔ اسی وجہ سے اس فتح کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔

عام پیش قدمی احنف بن قیس کی گفتگو کے بعد حضرت عمر کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یزدگرد ایران میں موجود ہے اُس وقت تک ہمارے مفتوحہ حصوں میں فتنہ اور فساد فرو نہیں ہو سکتا اس لئے اُنھوں نے بقیہ ایران پر لشکر کشی کا سامان کیا۔ سات علم تیار کئے اور سات سرداروں کو عطا کر کے فوجوں کے ساتھ انکو مختلف مقامات کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

۱۔ احنف بن قیس خراسان

۲۔ مجاشع بن مسعود سلمی۔ خرہ اردشیر و سابور

۳۔ عثمان بن ابی العاص۔ ثقفی۔ اصطخر

۴۔ ساریہ بن رہیم کنانی۔ فساد دراابجرد

۵۔ سہیل بن عدی۔ کرمان

۶۔ عاصم بن عمرو۔ سیستان

۷۔ حکیم بن عمیر تغلبی مکران

یہ فوجیں آغاز ۲۱ھ میں روانگی کے لئے تیار ہو گئیں۔

اصفہان عبداللہ بن عتبہ فوج لے کر اصفہان کی طرف گئے تھے۔ وہاں کا سپہدار فاذوسفان تھا۔ جب فریقین نے صف آرائی کی تو اس نے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ سپاہیوں کی جانیں ضائع کرانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم تم خود لڑ کر فیصلہ کرلیں۔ عبداللہ اس کے مقابلہ کے لئے گئے تو کہا کہ پہلے تم مجھ پر وار کر دیا مجھے اجازت دو۔ اس نے کہا میں وار کروں گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور تلوار چلائی۔ عبداللہ نے اس کو خالی دیا۔ لیکن گھوڑے کی تنگ کٹ گئی اور مع زین کے نیچے آگئے۔ پھر اچھل کر ننگی پشت پر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ اب میری باری ہے۔ سنبھل جاؤ۔ اس نے کہا بس میں نے آپ کو آزما لیا اب لڑنا نہیں چاہتا۔ شہر آپ کے حوالہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ جو جزیہ دے کر رہنا چاہے اس کو رہنے دیجئے اور جو نہ رہنا چاہے اس کو نکل جانے کی اجازت عطا فرمائیے عبداللہ نے اس کو منظور کر کے صلحنامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد اصفہان میں انھوں نے ایک امیر مقرر کر دیا اور خود حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق سہیل بن عدی کی امداد کے لئے کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔

آذربائیجان نعمان بن مقرن کے بھائی نعیم جس وقت ہمدان میں تھے ان کو اطلاع پہنچی کہ مقام واج رند میں جو ہمدان اور قزوین کے درمیان صوبۂ آذربائیجان میں واقع ہے ایرانی مجتمع ہو رہے ہیں اس لئے وہ فوج لیکر آگے بڑھے اور مقابلہ کیا۔ نہاوند کی طرح یہاں بھی

سخت معرکہ پیش آیا۔ آخر میں ایرانیوں کو ہزیمت فاش ہوئی۔

نعیم دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق رے کی طرف بڑھے اور وہاں کے رئیس زینبدی نے آکر صلح کرلی۔ انھوں نے رے میں قیام کیا اور وہاں سے اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قومس کی طرف بھیجا وہ بلاجنگ کے فتح ہوگیا۔ نیز جرجان اور طبرستان کے لوگوں نے بھی آکر مصالحت کی۔

باب سراقہ بن عمرو آذربیجان سے باب کی طرف جو صوبہ آرمینیہ سے متصل ہے بڑھے اور اس کا محاصرہ کیا۔ وہاں کا رئیس شہر براز غدان کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایرانی نسل سے ہوں اور اہل آرمینیہ سے جو نہایت بدنسل، کمینے اور کینہ ور ہیں مجھ کو کوئی تعلق نہیں جب تمام ایران مفتوح ہوگیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں لیکن میرے اوپر جزیہ لگا کر مجھے ذلیل نہ کرو۔ بلکہ جب ضرورت ہو مجھ سے فوجی خدمت لو۔ سراقہ نے اس کو منظور کرلیا اور کہا کہ جزیہ سے ہر سال صرف وہی لوگ بری ہوں گے جن سے اس سال فوجی کام لیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ بھی اس مصالحت پر راضی ہوگئے یعنی جزیہ معاف کرکے اہل شرک سے جنگی امداد لینے کو انھوں نے جائز رکھا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد اور مثنیٰ کو ان مسلمانوں کے فوج میں لینے سے بھی منع فرمادیا تھا جو ارتداد کی شورش میں پڑ گئے تھے۔

سراقہ نے یہاں سے تفلیس، موقان وغیرہ کی طرف جو آرمینیہ کے

سرحدی کوہستانی مقامات میں فوجیں روانہ کیں۔

خراسان یزدگرد خراسان کے مشہور شہر مرد شاہجہاں میں مقیم تھا۔ اس نے وہاں کے رئیسوں اور مرزبانوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متفق کیا۔ احنف بن قیس جن کو خراسان کا علم دیا گیا تھا ۲۲ھ میں وہاں پہنچے۔ پہلا مقابلہ ہرات پر ہوا۔ دشمنوں کو شکست دے کر وہاں قبضہ کیا۔ پھر مرد کی طرف بڑھے۔ یزدگرد مرد رود کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ترکستان اور چین کے بادشاہوں سے مدد مانگی۔ احنف بھی اس کے پیچھے آئے۔ وہ بلخ کو چلا گیا۔ احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ مقابلہ میں یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے جیحوں اتر کر تاتاری حکومت میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے احنف کو فرمان بھیجا کہ تم دریا سے آگے نہ بڑھو۔

یزدگرد نے چین اور ترکستان کے بادشاہوں سے مدد لیکر پھر دریا کو عبور کیا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں تاتاری اس کو چھوڑ گئے۔ مجبوراً وہ اس پار چلا گیا مگر اس کے ساتھ کے خراسانیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور اپنے اپنے گھروں میں آ کر اپنی اپنی ملکیتوں پر قابض ہو گئے اسلامی عدل و انصاف کے سایہ میں ان کی حالت اس سے بہت بہتر ہو گئی جیسی کہ ایرانی بادشاہوں کے عہد میں تھی۔

دیگر فتوحات سار یہ بن زہم نے فسا اور دراابجرد کو فتح کیا عثمان بن ابی العاص نے اصطخر سہیل بن عدی نے کرمان۔ عاصم بن عمرو نے سیستان اور حکیم نے مکران کو۔ ان فتوحات سے اس سرے سے لے کر اس سرے تک سارا ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

شام جنگ یرموک میں حضرت ابو بکر کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی خبر آگئی تھی۔ یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ فوجیں لیکر فحل کی طرف بڑھے۔ یہ مقام علاقہ اردن میں حوران اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ شکست خوردہ رومی یہیں جمع تھے پہلے ہی حملہ میں مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

دمشق یہ شہر زمانہ سابق سے تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے ارد گرد مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے اس کا محاصرہ کیا۔ بڑے بڑے سردار جو شام کی فتح کے لئے مامور ہوئے تھے ایک ایک دروازے پر اپنی اپنی فوجیں لیکر جم گئے۔ حضرت خالد بانچہزار فوج کے ساتھ باب الشرقی پر تھے وہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور شہر کی حالت کا دم بدم سراغ لیتے رہتے تھے ایک رات ان کو یہ معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے اہل شہر اس کے جشن میں مجتمع ہیں انھوں نے موقع پاکر شہر پناہ کی خندق کو مشکوں کے ذریعہ تیر کر عبور کیا اور رسی کا زینہ بنا کر فصیل پر

چڑھ گئے۔ پھر اپنے چند ساتھیوں کو بھی اُوپر چڑھا لیا اور اندر اُتر کر پہلے دربانوں کو قتل کیا پھر دروازہ توڑ دیا۔ مسلمان شہر میں گھس گئے۔ رومیوں نے یہ دیکھ کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور جا کر حضرت ابو عبیدہ سے صلح کر لی۔ وہ صلحاً ایک طرف سے شہر میں داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالد فتح کرتے ہوئے۔ وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

حضرت ابو عبیدہ نے چونکہ مصالحت کر لی تھی اور ان کو خالد کے اندر داخل ہو جانے کا حال نہیں معلوم ہوا تھا۔ اس وجہ سے مفتوحہ حصہ بھی رقبہ صلح میں شامل کر دیا یعنی مال غنیمت واپس کر دیا اور قیدی چھوڑ دیئے۔

مرج روم دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار توذر اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد تھے۔

صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ توذر اپنی فوجیں لے کر دمشق کی طرف بڑھ گیا۔ اس لئے ابو عبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔

یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے۔ جب توذر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے۔ عین معرکے میں پیچھے سے حضرت خالد پہنچ گئے۔ رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا۔ یزید دمشق کی طرف

واپس گئے اور خالد ابو عبیدہ کی فوج میں آکر شامل ہو گئے۔

حمص

حمص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے۔ مجبور ہو کر اہل حمص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

قنسرین

حمص سے خالد قنسرین کی طرف گئے۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں ان کا سردار میناس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا خالد نے ان کو شکست دی۔ میناس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئی۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا لڑنے کا مطلق خیال نہ تھا۔ میناس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔

وہاں سے قنسرین پہنچے۔ وہ لوگ قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے محاصرہ کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے نہیں بچ سکتے۔ یا تو اللہ تعالےٰ ہم کو تم تک پہنچا دے گا یا تم کو ہمارے پاس اتار دے گا۔ بالآخر ان لوگوں نے بھی حمص والوں کی طرح صلح کی۔

حضرت عمر نے جب خالد کے کارنامے سُنے تو فرمایا کہ۔

اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے خالد اور مثنیٰ کو کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں معزول کیا تھا بلکہ محض اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ مسلمان صرف اُنھیں کے اُوپر زیادہ بھروسہ نہ کرنے لگیں۔

قیساریہ قیساریہ پر یزید بن ابی سفیان بھیجے گئے تھے لیکن وہ بیمار ہو گئے اُنھوں نے اپنے بجائے اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو بھیجا انھوں نے اس کو فتح کر لیا۔

اجنادین عمرو بن العاص جو فلسطین پر متعین تھے اجنادین کی طرف بڑھے وہاں رومیوں کا سب سے چالاک سردار ارطبون تھا حضرت عمر نے فرمایا کہ رومی ارطبون کے مقابلہ میں ہمارا عربی ارطبون پہنچا ہے۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے۔

عمرو بن عاص ایک عرصہ تک محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے اس درمیان میں سفیر بھی فریقین کی طرف سے آتے جاتے رہے لیکن نہ صلح ہو سکی نہ فتح کی کوئی صورت نکلی ایک بار عمرو خود سفیر بن کر اس کے دربار میں گئے اس نے ان کی باتوں سے سمجھ لیا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں ایک آدمی سے رومی میں کہا کہ تم دہلیز میں کھڑے رہو۔ جس وقت یہ یہاں سے نکلیں

ان کو قتل کر دیا۔ انھوں نے انداز سے اس کے منصوبے کا پتہ پالیا۔ اور دوران گفتگو میں اس سے کہا کہ تم نے جو باتیں کیں وہ مناسب معلوم ہوتی ہیں لیکن ہم دس آدمی ہیں جو خلیفہ کی طرف سے اس کام کے لئے یہاں آئے ہیں۔ لہٰذا ان سب کی رائے لینی بھی ضروری ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سب لوگ کل تمہارے پاس آکر معاملہ طے کر ڈالیں۔ اس نے اس بات کو منظور کیا اور یہ سوچ کر کہ کل اور بھی اچھا موقعہ ملے گا اس آدمی کو خفیہ طور پر دہلیز سے ہٹا دیا۔ عمرو بن عاص صحیح و سالم بچ کر وہاں سے نکل آئے اور پھر یہ عہد کیا کہ ایسی غلطی آئندہ کبھی نہ کروں گا۔

ارطبون کو جب معلوم ہوا تو اس نے کہا افسوس، میں نے دھوکا کھایا۔ یہ شخص مجھ سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ اس کے بعد اسلامی فوج نے فصیل کے چاروں طرف سے جنگ شروع کر دی۔ ارطبون فوجیں لے کر نکلا۔ یرموک کی طرح سخت لڑائی ہوئی۔ آخر میں مسلمان غالب آئے۔ رومی شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف چلے گئے اور عمرو بن عاص نے اجنادین میں قیام کیا۔

بیت المقدس اجنادین میں عمرو بن عاص نے فوج کو مرتب کیا۔ اور بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ فصیل کے چاروں طرف سے محاصرہ کیا۔ رومی جب تنگ آ گئے تو انھوں نے کہلا بھیجا کہ ہم مصالحت کے لئے رضامند ہیں بشرطیکہ خود خلیفۂ اسلام ہمارے ساتھ معاہدہ کریں۔ حضرت عمر کو

اس کی اطلاع دی گئی - وہ روانہ ہو گئے اور امراء لشکر کو حکم بھیجا کہ مقام جابیہ میں آکر مجھ سے ملیں۔ سب سے پہلے یزید اور پھر ابو عبیدہ وغیرہ دوسرے امراء نے ان کا استقبال کیا۔ مسلمانوں نے دیبا اور حریر کے لباس پہن رکھے تھے۔ حضرت عمر نے جو دیکھا تو طیش میں آ گئے۔ سنگریزے اٹھا کر ان کو مارا۔ اور کہا کہ اس قدر جلد تم لوگوں نے عجمیت اختیار کر لی اور عربی سادگی چھوڑ دی اُنھوں نے کہا۔ یہ ریشمی لباس ہم نے اس لئے پہنا ہے کہ ہر وقت ہمارے بدن پر ہتھیار رہتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو کچھ حرج نہیں۔

مقام جابیہ میں ہی بیت المقدس والوں کی طرف سے سفیر پہنچے ان کے ساتھ عہد نامہ ہوا مضمون یہ تھا۔

ان لوگوں کا جان و مال اور دین محفوظ رہے گا نہ ان کے کینسے توڑے جائیں گے نہ ان میں کوئی مسلمان سکونت رکھے گا اور نہ ان کی حدود میں کمی کی جائے گی۔ یہ لوگ بھی دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے اور یہودیوں کو اس میں نہ رہنے دیں گے۔ جو رومی یہاں ہیں وہ نکل جائیں تو ان کو ان کے گھر پہنچنے تک امان ہے۔ نیز جو شخص بھی ان کے ساتھ جانا چاہے اس کو بھی امان ہے۔ وغیرہ۔ سنہ ۱۵ھ میں عہد نامہ لکھا گیا۔ خالد بن ولید، عمرو بن عاص۔ عبد الرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں۔

جابیہ سے بیت المقدس کو گئے۔ وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا۔ خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے۔ وہ ان کے لئے ایک ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس لائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمکو جو عزت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی عزت ہمارے لئے کافی ہے۔

بیت المقدس میں کنیسۂ قمامہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ تبرک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انھوں نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی۔ اس کے بعد تبرک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کینسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی۔ پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو۔

تبرک اور نیز اہل رائے کے مشورہ سے مقام صخرہ کو جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس پر خاک اور دھول بہت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہو گئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو اب تک مسجد عمر کے نام سے مشہور ہے۔

بیت المقدس میں حضرت عمرؓ نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امراء نے جس وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نباہا اسکی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی

فدائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی۔

طاعون عمواس

سنہ ۱۸ھ میں دوبارہ حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا۔ اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے جب مقام سرغ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں آگے چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں۔ بہت قیل و قال کے بعد واپسی کی رائے قرار پائی۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الٰہی سے فرار ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف۔ اے ابو عبیدہ! کاش یہ تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا۔

دوسرے دن صبح کو عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے جو کل کی بحث میں شریک نہیں تھے۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمہاری بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور مدینہ واپس آ گئے۔

یہ وبا طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے۔ بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہو گئے۔ اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو اور ان کے بیٹے عتبہ سب

اسی میں مبتلا ہو کر گزر گئے۔ آخر میں عمرو بن عاص فوج لے کر پہاڑ پر چلے گئے اور ان کو جا بجا متفرق کر دیا۔ اس وقت اس سے نجات ملی۔

طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ان کا غلام یرفا۔ ان کے ساتھ تھا جس وقت پہنچے ہیں اپنی سواری ان کو دے دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر ملکی اور فوجی انتظامات کئے۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے۔ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مُردوں کا مال و اسباب ان کے ورثاء کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں۔

ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلالؓ سے اذان کہلائیے۔ خلیفہ کے حکم سے انھوں نے اذان دی۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مؤذّن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سُن کر آنحضرت صلعم کی یاد سے لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے۔ حضرت عمر کی یہ حالت تھی کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔

مصر رومی افواج کا ایک بڑا مرکز مصر تھا۔ وہاں سے ان کو ہر قسم کی مدد ملتی تھی۔ عمرو بن عاص کا خیال تھا کہ ہم اگر مصر فتح کر لیں تو پھر شام میں رومی فوجیں ہمارا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں گی۔ حضرت عمر نے

جب دوبارہ ملک شام کا سفر کیا تو انھوں نے اپنے اس خیال کو ظاہر کیا۔ خلیفہ نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن پھر ان کے اصرار سے رضامند ہو گئے اور چار ہزار فوج دے کر مصر کی طرف روانہ کیا۔

پہلے شہر فرما میں رومی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ تقریباً ایک مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ وہاں سے دریائے نیل کے کنارے مصر کی طرف بڑھ کر اسلامی فوج خیمہ زن ہوئی۔

مقوقس والی مصر جو قبطی نژاد تھا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں تیار کر رہا تھا۔ جب مسلمان اس کے قریب پہنچ گئے تو وہ قلعہ میں بیٹھ رہا۔ اس کا محاصرہ کیا گیا۔ امداد کے لئے حضرت عمرؓ نے زبیرؓ اور مقدادؓ کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی۔ یہ محاصرہ سات مہینہ رہا۔ حضرت زبیر ایک دن زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور اندر اُتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ مقوقس نے امان طلب کی۔ اس کی درخواست منظور کی گئی۔

یہ عہد نامہ تمام ملک مصر کے لئے تھا لیکن قیصر نے اس کو نہیں تسلیم کیا اور سمندر کی راہ سے ایک فوج گراں اسکندریہ میں اُتار دی۔ مسلمان بھی اس طرف بڑھے۔ مقوقس چونکہ لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے مسلمانوں سے عہد لے لیا کہ میری قوم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

ہم لوگ اس لڑائی میں رومیوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ چنانچہ جب مسلمان اندرونِ ملک میں بڑھے تو انھوں نے قبطیوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ قبطیوں نے بھی جا بجا ان کو مدد دی۔ البتہ رومی جو وہاں سکونت گزین ہو گئے تھے اسکندریہ کے راستہ میں کئی بار مقابلہ کے لئے آتے لیکن شکست کھاتے رہے۔ اسلامی فوج نے جاکر اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔ چونکہ رومیوں کو سمندر کی راہ سے سامانِ رسد وغیرہ پہنچا رہتا تھا اس لئے اس محاصرہ نے طول کھینچا۔ آخر میں مصالحت ہوئی۔ اسکندریہ رومیوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر مسلمان مصر کی طرف واپس آ گئے۔

حضرت عمر کے حکم سے عمرو بن عاص نے وہاں فوج کے قیام کے لئے ایک شہر آباد کیا جو فسطاط کے نام سے مشہور ہے۔ فسطاط خیمہ کو کہتے ہیں۔ اور مسلمان پہلے اسی جگہ خیمہ زن ہوئے تھے۔

یہ بات یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے کہ اسکندریہ کی طرف روانگی کے لئے جس وقت فوج کے خیمے اکھاڑے جا رہے تھے تو عمرو بن عاص کے خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ انھوں نے اس پرندے کی خاطر سے اپنے خیمہ کو بدستور چھوڑ دیا اور کہا کہ اس کو نہ اکھاڑو ورنہ ہمارے اس مہمان کو تکلیف ہوگی۔

حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا

مشرق میں دریائے جیحوں تک اور مغرب میں شام اور مصر اسلامی جھنڈوں کے نیچے آ گئے تھے ان تمام ممالک کا انتظام اسلامی عدل کے اصول پر قائم کیا گیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم جو جابر بادشاہوں کے ہاتھوں سے رعایا پر ہوتے تھے مٹا دئیے گئے اور ذمی امن و امان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

عہدِ فاروقی پر ایک نظر

فتوحات عہدِ فاروقی کی یہ تمام فتوحات ساڑھے دس برس کا کارنامہ ہیں اس قلیل عرصہ میں اسلامی مقبوضہ کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع تک پہنچ گیا اور یہ فتوحات مغلوب اور گمنام عربی قوم نے ایک ساتھ دو عظیم الشان سلطنتوں پر حاصل کیں جو اس زمانہ میں دنیا میں سب سے زبردست اور متمدن تھیں یعنی ایران و روم۔

ایران کی حالت یہ تھی کہ زمانہ قدیم سے وہ مسلمہ طاقت ور سلطنت تھی۔ آغاز اسلام میں وہاں کی فوجوں نے رومیوں پر مسلسل فتوحات حاصل کی تھیں اور ان کو سواحل بحیرہ روم تک بھگا دیا تھا۔ گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی جو آئین رزم و پیکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلاتِ جنگ اور فوجی

ساز و سامان سے مسلح و آراستہ تھی سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے رومیوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدان جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنون حرب میں مشاق اور میدان جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہل عرب کی کیفیت یہ تھی کہ کسی ایک معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لا سکے۔ زرہ بکتر۔ جلتہ۔ جوشن۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانہ میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی بناتے تھے۔ گرز و کمند سے ناآشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ سے ناواقف مگر باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انھیں کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیئے۔

بادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کی صحبت پاک کے اثر سے بلند نظری ہمت، اثبات استقلال۔ عالی حوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی

اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغِ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوتی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوامِ عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی طاقت ہو سکتی تھی جو ان کی ٹکر کو اٹھا سکتی۔

ہر ملک کی رعایا ان کی عدل و انصاف اور وفاداری اور راست بازی کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو جاتی تھی بلکہ ان میں سے اکثر اسلام قبول کر کے اس لشکرِ حق میں شریک ہو جاتے تھے یا جزیہ دینا قبول کر لیتے تھے۔

لیکن سیاستِ عربیہ کی تعریف سے (حضرتِ عمر کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے امت کے ان صفاتِ عالیہ کی تربیت کی اور ان سے کام لیا ورنہ یہی لوگ ان کے بعد بھی تھے مگر وہ شان کہاں رہی۔

فاروقِ اعظم گو بذاتِ خود ان لڑائیوں میں سے کسی ایک میں بھی شریک نہیں ہو سکے لیکن ان کی دُور بین نگاہ ان فوجوں کے جو ایران و روم میں مصروفِ پیکار تھیں جزوی سے جزوی واقعہ کی طرف بھی رہتی تھی سلسلہ وار ہدایات اور احکام بھیجتے رہتے تھے ان کی حالت اگر غور سے دیکھی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فوجوں کے اصلی سپہ سالار وہی تھے اور مدینہ میں بیٹھے ہوئے ان کو پوری توجہ کے ساتھ دونوں طرف لڑا رہے تھے۔)

دنیا میں اور جو بڑے بڑے فاتح ہوئے ہیں ان کو دیکھو تو وہ حضرت عمرؓ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے کارنامے سفاکیوں اور خونریزیوں سے لبریز ہیں اور اُن کی فتوحات اسلامی اصول کی پابندی کے ساتھ ہوئیں جن میں ناجائز خون کا ایک قطرہ اور ناانصافی کا ایک داغ نظر نہیں آتا۔ اس احتیاط کے ساتھ دنیا میں زمین کا ایک چپہ بھی کسی کشور کشا نے نہیں لیا۔

جمہوریت

اسلام کل بنی نوع انسان کو جو اس کے حدود میں داخل ہوں مساوات عطا کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عمال حکومت بلکہ خود خلیفہ بھی ایک معمولی فرد رعایا کے برابر تھا ہر شخص کو اس کے اوپر نکتہ چینی کا اختیار تھا اور یہی وہ چیز ہے جو جمہوریت کی اصلی روح ہے۔

وہ کسی امر کو بذات خود بلا مشورہ کے طے نہیں کرتے تھے بلکہ مہاجرین اور انصار سے ہر کام میں رائے لیتے تھے اور جب کوئی بڑی مہم در پیش آ جاتی تھی تو مسلمانوں کے مجمع عام میں اس کو پیش کرتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کوئی صحیح رائے دیتا تھا تو اس کو فوراً مان لیتے تھے۔

ایک بار جب انھوں نے دیکھا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہروں میں بہت اضافہ کر دیا ہے چاہا کہ کوئی خاص حد مقرر کر دیں۔ مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان فرمایا۔ کسی کونے سے ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیا! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے :-

وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ۔
اور تم نے بیویوں میں سے کسی کو بہت سا مال دے دیا تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

یہ سن کر بول اٹھے کہ عورت نے سچ کہا۔ عمر غلطی پر تھا۔

(ہمیشہ لوگوں سے یہی کہتے رہتے تھے کہ جو خیر خواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچاؤ۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے راہِ حق دکھاؤ اور جو حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔

ایک بار مسجد میں اسی قسم کی تقریر کی۔ ایک شخص نے اٹھ کر تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے تو ہم اس کے ذریعے سے راہِ راست پر لائیں گے۔ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میں اگر کجروی اختیار کروں تو وہ مجھے سیدھا کرنے کے لئے تیار ہیں)۔

صحابۂ کبار میں سے صاحبان عقل و رائے مثلاً حضرت عباسؓ، عبد الرحمٰنؓ بن عوف، عثمانؓ اور علیؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو مشورہ کی غرض سے سفر اور حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اجتماعیات کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی مجلسیں مخصوص اشخاص پر محدود نہیں ہونی چاہئیں بلکہ ہر قسم کے لوگ باہم مل کر بیٹھا کریں۔ کیونکہ چند اشخاص جب اپنی محفل کو مخصوص کر لیتے ہیں تو ان کی رائے عام

رائے سے الگ ہو جاتی ہے اور اس اختلاف رائے کا نتیجہ ہے تفریق اس لئے نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مجلسوں کو عام رکھو اور سب باہم مل کر بیٹھو اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور اتحاد و اتفاق قائم اور دشمنوں پر رعب غالب رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ کہیں کہ فلاں کی رائے یہ تھی اور فلاں کا خیال یہ تھا کیونکہ اس سے اسلام کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اُمت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

عمّالِ حکومت حضرت عمرؓ اسلام کی مصلحتِ خاصہ پر رعایا کی بہبودِ عامہ کو مرجح سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں والی بھی رعایا کا ایک فرد تھا۔ اس کے اُوپر بھی قانونِ عدل اسی قدر حاوی تھا جس قدر دوسرے لوگوں پر۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی عامل کی شکایت کر دیتا تھا تو عدلِ فاروقی اس عامل کو لا کر اس کے برابر کھڑا کر دیتا تھا اور پھر جس سزا کا وہ مستوجب ٹھہرتا اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

مدبرینِ سیاست کی رائیں اس مسئلہ میں مختلف ہیں بعض لوگ معمولی باتوں پر عمالِ حکومت کی گرفت کو سلطنت کے رعب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے اس وقت جب کہ ملک میں کسی قسم کا اضطراب ہو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں مصلحتِ عامہ کے لئے عمال کا رعب مفید ہوتا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق اپنے امراء کے اقتدار کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے۔

کیونکہ ان کے عہد میں جابجا شورشیں برپا تھیں۔ لیکن حضرت عمر مساوات کے عاشق تھے اور ان کا عہد بھی اندرونی شورش سے پاک تھا اس لئے وہ بڑے سے بڑے والی اور امیر اور ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کے فقیر کو یکساں سمجھتے تھے۔

جب وہ کسی کو کسی علاقہ کا عامل مقرر کرتے تھے تو اس کو اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ خود اس کو رخصت کرنے کے لئے جاتے تھے اور روانگی کے وقت تک مساوات اور عدل کا سبق دیتے رہتے تھے مسلمانوں کے مجمع عام میں بار بار اس کی تصریح کرتے تھے کہ عمال اس لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ اُمت کو دین کی تعلیم دیں، سنت پر چلائیں۔ مال غنیمت تقسیم کریں۔ خراج اور زکوٰۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچائیں نہ کہ خود اس میں سے اپنا حصہ لگائیں یا رعایا کو ستائیں۔ اگر میرے پاس اس قسم کی کوئی شکایت کسی والی کی آئی تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اس کو ضرور اس کی سزا دوں گا۔

حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ اگر کوئی امیر اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب دینے کے لئے سزا دے تو کیا آپ اس کا بدلہ لیں گے۔ فرمایا کہ ہاں ضرور بدلہ لوں گا۔ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، میں یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہوں کہ کوئی امیر کسی شخص کو ذلیل کرے یا مارے یا اس کا حق زائل کرے

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے عام حکم دے رکھا تھا کہ امرا۔ اور عمال ہر سال حج کے موسم میں مکہ میں آکر مجھ سے ملیں وہاں جس شخص کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے۔ اس رسوائی عام سے ڈر کر ان کے عہد میں ملک کے تمام کارپرداز انصاف و احتیاط اور عدل و مساوات کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔

جس امیر کی شکایت ان کے پاس پہنچتی تھی اس کو بلا کر پوری تفتیش کرتے تھے۔ حضرت سعد فاتح قادسیہ و مدائن کی جب شکایت ہوئی تو ان کو بلا کر مجمع عام میں تحقیقات کی اور جب وہ بری ثابت ہوئے تو فرمایا کہ اے سعد میرا گمان بھی تمہارے متعلق یہی تھا۔ مغیرہ بن شعبہ والی بصرہ پر جب الزام لگایا گیا تو ان کو بھی طلب کیا۔ گواہ جھوٹے ثابت ہوئے لہذا ان پر حد شرعی جاری کی۔ عمار بن یاسر والی کوفہ کی شکایت ہوئی کہ یہ طرز حکومت سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو بلا کر چند سوالات کئے معلوم ہوا کہ شکایت صحیح ہے اس لئے معزول کر دیا۔ عمرو بن عاص والی مصر پر ایک قبطی نے نالش کی کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے بلا وجہ مجمع عام میں مجھ کو مارا۔ دونوں باپ بیٹوں کو مصر سے طلب کیا اور عبداللہ کو سزا دی۔

بجز چند امراء کے جن میں ابو عبیدہ اور امیر معاویہ ممتاز تر ہیں ان کے عہد میں کوئی عامل یا والی ان کی بازپرس سے محفوظ نہیں رہا۔

ان سب پر مزید یہ کہ انھوں نے محمد بن مسلمہ کو جن پر وہ کامل اعتماد رکھتے تھے امراء اور عمال کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا وہ ہر جگہ کا دورہ کرتے تھے ہر شخص کو کامل آزادی تھی کہ ان کے پاس جا کر عامل کی جو شکایات ہو بلا کم و کاست بیان کرے وہ علی رؤس الاشہاد اس کی تحقیقات کرتے تھے۔ حضرت عمر کا ہاتھ اس قدر قوی تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی والی اپنے اقتدار کی وجہ سے کسی شہادت پر اثر ڈال سکے۔

عمال کی آمدنی اور خرچ اور ان کی ثروت پر بھی نظر رکھتے تھے اگر کسی کے پاس آمدنی سے زیادہ ذخیرہ دیکھتے تھے تو اس سے پرسش کرتے تھے کارپردازان حکومت کو تجارت کی قطعی اجازت نہ تھی۔

بہی خواہی اُمت

حضرت عمر جس قدر امراء اور عمال کے لئے سخت تھے اسی قدر رعایا کے لئے نرم۔ ان کی بہبود اور فلاح کے خیال میں ہمیشہ غرق رہتے تھے اور خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری کا ان کو حد سے زیادہ احساس تھا فرماتے تھے کہ اگر ساحل فرات پر بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اسکی جوابدہی کرنی پڑیگی۔

قبائل کے دفاتر خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو نام بنام بلا کر خود ان کے ہاتھوں میں ان کا وظیفہ دیتے تھے۔ نواح مدینہ میں راتوں کو گشت لگاتے تھے اور اکثر جب کوئی قافلہ وہاں آکر اترتا تھا

تو خود جاگ کر رات کو پاسبانی کرتے تھے۔

ایک رات اپنے غلام اسلم کو لے کر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام صرار میں پہنچے دیکھا کہ ایک خیمہ میں ایک بڑھیا کچھ پکا رہی ہے اور چند بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ قریب جا کر کیفیت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ یہ بچے بھوک کے مارے رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بچوں کو بہلانے کے واسطے خالی پانی چڑھا دیا ہے کہ کھانے کی امید میں ان کا جی بہل جائے اور سو جائیں۔ یہ سن کر کانپ اُٹھے اور اپنے غلام کو ساتھ لئے ہوئے فوراً مدینہ واپس آئے بیت المال کا دروازہ کھولا۔ آٹے کا تھیلا اور گھی کا برتن اٹھایا۔ غلام نے کہا کہ میرے کندھے پر رکھ دیجئے۔ فرمایا کہ کیا قیامت میں بھی تم میرا بوجھ اُٹھاؤ گے خود لا کر بڑھیا کے سامنے رکھ دیا اور چولھا پھونکنے لگے۔ اس نے پکا کر بچوں کو کھلایا۔ جب وہ کھا کر خوش ہو گئے اور ہنسنے اور کھیلنے لگے تو وہاں سے واپس چلے۔ بڑھیا نے کہا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ خلیفہ تم کو ہونا چاہیئے نہ کہ عمر کو۔ فرمایا کہ کل تم مدینہ میں اپنے بچوں کو لیکر خلیفہ کے پاس آؤ وہاں انشاء اللہ تمہیں ملوں گا۔ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے گا۔

ہر چند کہ یہ جزوی واقعات ہیں لیکن ان سے ان کی رعیت پروری اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فرض اور مسئولیت

کا کس قدر ان کو احساس اور خوف تھا۔

باوجود اس شفقت اور رحمت کے ان کی ہیبت اس قدر دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے اُمرا، اُن سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اور زیادہ تر حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے توسط سے اپنے معاملات ان تک پہنچاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صرف ایک درہ یعنی ایک چھوٹا عصا رہتا تھا جس کا خوف لوگوں کے اوپر تیغ دودم سے بھی زیادہ تھا اور بجز چند صحابہ کبار کے اس سے بچے بھی کم لوگ تھے۔

ایک بار لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ خلیفہ کا رعب ہمارے اوپر اس قدر ہے کہ ہم ان کے آگے لب نہیں ہلا سکتے بلکہ ان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے انھوں نے حضرت عمر سے اس کو بیان کیا فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ میں خود ان سے ڈرتا ہوں کیونکہ ان کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔

ایک شخص جو نہ محافظ رکھتا ہو نہ دربان، نہ اس کے پاس نیزہ ہو نہ تلوار لباس میں پیوند در پیوند لگے ہوئے ہوں، ادنیٰ ادنیٰ رعیت کی خود خدمت کرتا ہو اس کے رعب کا یہ عالم۔ اس کو سوائے جلالِ حق کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت عمر جس طرح خود عدل و مساوات کے عاشق تھے اسی طرح یہ چاہتے تھے کہ ہر

مسلمان اس کا خیال رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی مثال سے اس کو لوگوں کے خاطر نشین کرنا چاہتے تھے۔

بیت المال کے خزانے کو سوائے مستحقین کے اور کسی کے لئے حلال نہیں سمجھتے تھے۔ خود اپنے اخراجات کے لئے اس قدر کم رقم لیتے تھے کہ نہایت تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ جَو کی روٹی ان کی غذا تھی اور زیتون کا تیل ان کا سالن۔ حضرت عثمان اور زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ترس کھا کر ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمارا نام ظاہر نہ کریں۔ لیکن اپنے باپ سے جاکر یہ کہیں کہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ بیت المال سے جو روزینہ لیتے ہیں وہ آپ کے لئے کافی نہیں ہے اس میں کچھ اور اضافہ کیجئے۔ انھوں نے جاکر جب کہا تو فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایسی ترغیب دیتے ہیں میں ان کی خبر لوں گا۔ حضرت حفصہ نے کہا کہ ان کا نام ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا اچھا تم میرے اور اُن کے درمیان میں ہو۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کئے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے۔ پھر جب انھوں نے فضولیات دنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے بھی اسی حالت میں رہنے دو۔ میری مثال یہ ہے کہ تین ساتھی ایک منزل کی طرف چلے۔ پہلا پہنچ گیا۔ دوسرا بھی اس کے پیچھے گیا وہ بھی پہنچ گیا اب میں بھی اگر اسی توشہ پر راضی ہو کر اسی راستہ پر چلونگا تو اپنے ساتھیوں

سے جا ملوں گا۔ نہیں تو بھٹک کر دُور جا پڑوں گا۔

اپنے اہل و عیال کو بھی وہ اسی طرح رکھتے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کی فوج میں تھے، جب مدینہ واپس آنے لگے تو بصرہ کے والی ابوموسیٰ اشعری نے ان سے کہا کہ یہاں خزانہ میں ایک رقم جمع ہے جس کو میں خلیفہ کے پاس بیت المال میں بھیجنا چاہتا ہوں تم اس کو لے کر یہاں سے کوئی تجارتی سامان خرید لو۔ مدینہ میں پہنچ کر اس کو فروخت کر کے اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا اور نفع خود لے لینا۔ ان دونوں بھائیوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ اس کا نفع کہاں ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ مال والی بصرہ نے ہم کو قرض دیا۔ یہاں آ کر ہم نے وہ قرض ادا کر دیا۔ فرمایا کہ صرف امیرالمومنین کے بیٹوں کو قرض دیا گیا تھا یا ساری فوج کو۔ یہ سن کر عبداللہ خاموش ہو گئے۔ لیکن عبیداللہ نے کہا کہ اس کی ذمہ داری بھی تو ہمارے اوپر تھی۔ اگر نقصان ہوتا یا یہ مال ضائع ہو جاتا تو ہم کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑتا۔ اس پر لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ منافع میں سے نصف ان لوگوں کو دیا جائے اور نصف بیت المال میں داخل ہو۔

اسی طرح جب ایک بار قیصر روم کو خط بھیجا تو ان کی بیوی ام کلثوم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی بیٹی تھیں اسی قاصد کے ہاتھ اپنی طرف سے

ملکہ روم کے لئے کچھ تحفے بھیجے، وہاں سے قیصرہ نے ان کے لئے ہدیہ بھیجا جس میں موتیوں کی ایک بیش قیمت مالا بھی تھی۔ حضرت عمر کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ملکہ روم کا ہدیہ ہے جو نہ آپ کے زیر فرمان ہے نہ اس کے مال سے آپ کو کچھ تعلق ہے۔ فرمایا کہ قاصد مسلمانوں کا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے دئے گئے تھے۔ ام کلثوم کو صرف اس قدر دلا دیا جتنا ان کا صرفہ پڑا تھا۔

یہ سب تشدد اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر اس لئے تھا کہ لوگوں کو اس بات کا سبق دیں کہ مسلمانوں کے مال سے وہ پرہیز کریں اور بلا استحقاق اس کو نہ لیں۔ جب وہ مسلمانوں کو کسی بات سے منع کرتے تھے تو گھر میں آکر اپنے عیال کو جمع کر کے کہہ دیتے تھے کہ دیکھو لوگوں کو میں نے فلاں چیز سے منع کیا ہے تم اس کے قریب نہ جانا۔ سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم میں سے اگر کوئی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کو دونی سزا دوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے امت عربیہ کی صحیح تشخیص کی۔ اور سیدھے راستے پر ان کو چلایا۔ ان کی مثال اس نسخہ کامل کی تھی جس کے تمام اجزا مریض کی صحت کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اگر اس میں سے کوئی دوا کم کر دی جائے تو پھر اس کا وہ اثر باقی نہیں رہتا۔ زمانہ مابعد میں خلفائے اسلام میں سے کوئی فاروق اعظم جیسا مجموعہ کمالات نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے

کہ امت کسی کے عہد میں اتنے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکی۔

بیتِ عمرؓ اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر نے زینب بن مظعون سے جو بنی جمح سے تھیں نکاح کیا ان سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہ پیدا ہوئیں۔ یہ مسلمان ہوئی تھیں مکہ میں ہجرت سے پہلے انتقال کر گئیں

دوسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی ان سے عبیداللہ پیدا ہوئے

تیسری بیوی قریبہ مخزومیہ تھیں ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانے میں طلاق دے دی۔

مدینہ میں جمیلہ بنت قیس انصاریہ ان کے نکاح میں آئیں ان کے بطن سے عاصم تھے۔ پھر حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم سے عقد کیا ان سے زید اور رقیہ دو بچے ہوئے لیکن دونوں بلا اولاد کے گزر گئے لہیہ یمنی سے نکاح کیا ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔ آخری بیوی عاتکہ بنت زید تھیں۔

وفات مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام الولو فیروز نامی تھا اس نے ایک بار حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ پر محصول زیادہ لگا رکھا ہے اس کو کم کرا دیجئے پوچھا کس قدر ہے اس نے کہا کہ دو درہم روزانہ، کہا تم کیا کام کرتے ہو اس نے جواب دیا نجاری نقاشی اور آہنگری۔ فرمایا کہ ان دستکاریوں کے ساتھ تو دو درہم روزانہ کچھ زیادہ نہیں

وہ اس فیصلہ سے ناراض ہوتا۔

دوسرے دن فجر کے وقت مسجد میں گیا۔ حضرت عمر نماز پڑھا رہے تھے اس نے خنجر دودم سے ان پر کئی وار کئے ایک زخم ناف کے نیچے لگا۔ اور وہی ہلاکت کا باعث ہوا ان کے پیچھے صف میں کلیب بن بکیر لیثی تھے ان کو بھی اس نے قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں نے اسکو پکڑا تو اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر زخم کھا کر گر پڑے اور کہا کہ دیکھو کس نے مجھے قتل کیا۔ لوگوں نے جب نام بتایا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کو کبھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور لوگ حضرت عمر کو اٹھا کر گھر میں لے گئے۔ جب دوا پلائی گئی تو زخم کی راہ سے باہر نکل پڑی۔ اس لئے یقین ہو گیا کہ یہ جانبر نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ حضرت عائشہ کے پاس جا کر درخواست کرو کہ وہ اپنے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مجھے دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ وہ گئے۔ حضرت عائشہ اس حادثہ پر رو رہی تھیں فرمایا کہ اس جگہ کو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا لیکن حضرت عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ نے واپس آ کر خوشخبری سنائی۔ فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

زخم لگنے کے تیسرے دن ۲۷ ذی حجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے روز شام کو وفات پائی۔ دوسرے دن صبح کو دفن کئے گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔

کل مدت خلافت دس سال چھ مہینے چار دن تھی۔

صفاتِ عمرؓ

حضرت عمر قبول اسلام سے پہلے شہسواری اور پہلوانی میں مشہور تھے۔ انھوں نے عرب کے مشہور بازار عکاظ میں کئی دنگل جیتے تھے انساب قبائل سے خوب واقف تھے اور قریش کی سفارت کا منصب ان کو حاصل تھا۔ کئی بار شام اور عراق کے بادشاہوں کے پاس سفیر بنکر گئے تھے۔ حجاز میں اگرچہ اس زمانہ میں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن یہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ میں آکر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ ان کی جرأت کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ بلا استثنا تمام غزوات میں شریک رہے۔

جب خلیفہ ہوئے تو ان کی قوت تدبیر اور حسن سیاست سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم الشان شوکت بخشی۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی جھنڈے کے نیچے آگئیں اور یہ دین حق اقوام و ملل پر غالب آگیا۔

بزرگی اور عظمت کے لحاظ سے حضرت ابوبکر کے بعد ان کا درجہ امت

میں سب سے بلند ہے۔ لیکن ان کا رعب و جلال ان سے زیادہ تھا فوج کا دفتر ان ہی کے عہد میں مرتب ہوا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط۔ موصل اور جیزہ یہ سب شہر انھوں نے آباد کرائے۔ سنہ ہجری انھیں کا مقرر کیا ہوا ہے۔ ان کے عہد میں کتاب و سنت کا سمجھنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ فقہ کے مجتہد اوّل یہی ہیں۔ نہایت بلند پایہ خطیب اور مقرر تھے۔ ان کی ذات ملت اسلامیہ کے لیے مایۂ شوکت و عزت و باعث رحمت و برکت تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

عمّالِ عہدِ عمرؓ

طائف۔ سفیان بن عبداللہ ثقفی۔ صنعا۔ یعلی ابن منیہ۔ جند۔ عبداللہ بن ربیعہ۔ بحرین۔ عثمان بن ابی العاص۔

کوفہ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ بصرہ۔ ابوموسیٰ اشعری۔
شام۔ امیر معاویہ۔ مصر۔ عمرو بن عاص۔
مکہ۔ نافع بن عبدالحارث خزاعی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جب صحابہ نے دیکھا کہ اس مہلک زخم سے حضرت عمر کا بچنا مشکل ہے، تو ان سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں وہ متردد تھے فرمایا کہ میں کسی کو خلیفہ بنا دوں تو یہ بھی بے جا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے جو مجھ سے بہتر تھے ایسا کیا ہے اور اگر نہ بناؤں تو بھی نامناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا قائم مقام کر دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ ابوعبیدہ اس امت میں امین ہیں یا ابوحذیفہ کا غلام سالم ہوتا تو اس کو خلیفہ بنا دیتا اور اللہ سے کہتا میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ سالم اہلبیت کا شیدائی ہے۔

کسی شخص نے کہا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ اس کے لئے موزوں ہیں فرمایا کہ نہیں، جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہ آیا اس کو میں امت کا خلیفہ کیسے بنا دوں۔ میرے اوپر یہ امارت خود ایک بار گراں تھی اس لئے اب میں اپنے خاندان

کے کسی شخص پر اس بوجھ کو ڈالنا پسند نہیں کرتا ایک عمر ہی کے لئے اس کی جوابدہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے کنبہ میں سے دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈالے۔ میں نے اپنے کو اور اپنے متعلقین کو بہت سی آسائشوں سے محروم رکھا پھر بھی خلافت کی ذمہ داریوں سے اگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں بلا ثواب اور بلا عذاب کے چھوٹ جاؤں تو سمجھوں گا کہ بڑا خوش قسمت ہوں۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔ لیکن معاملہ چونکہ زیادہ اہم تھا اس لیئے دوسرے وقت پھر اس کو چھیڑا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو اُمت کا امیر بنادوں جو اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ لیکن میں نے سوچا کہ زندگی کی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داری میرے ہی اُوپر رہے گی۔ اس لئے میری ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چھ آدمی ہیں۔ حضرت علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے ان میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے امیر بنالو اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی امداد کرو۔ جو امانت جس کے سپرد ہو وہ اس میں خیانت نہ کرے۔

یہ کہہ کر مذکورہ بالا صحابہ کو بلایا اور فرمایا کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی تم چھ آدمی میری نگاہ میں امت کے سردار معلوم ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے تم لوگوں سے راضی گئے۔ اگر تم راہ

راست پر رہے تو تمہارے لئے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اگر خود تم میں باہم مخالفت ہوئی تو امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

اس کے بعد ان کے لئے میعاد مقرر کی کہ میری موت کے بعد زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہو جانا چاہیئے۔ مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھ کو دفن کر کے فارغ ہو جائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا۔ تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔ عبداللہ بن عمر کو رائے دینے کے لئے بلا لینا۔ لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہو گا۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہو۔ اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہ کی رائے لیکر فیصلہ کر دینا۔ اگر ان کی رائے قابل قبول نہ سمجھی جائے تو وہ فریق غالب ہو گا جس کی طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہونگے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ نہ مانیں اور اپنے دعوے پر اڑے رہیں ان کو قتل کر دینا۔

حضرت عمر کے دفن کے بعد مقداد ان صحابہ کو لیکر مسور بن مخرمہ کے گھر میں آئے اندر بٹھا کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خلیفہ کی وصیت کے مطابق تین دن کے اندر اندر آپ لوگ اپنے آپ میں سے امیر منتخب کر لیں تھوڑی دیر تک سب لوگ خاموش بیٹھے رہے پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جو خلافت سے دستبردار ہو جائے اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ اس جماعت میں سے جس کو افضل سمجھے خلیفہ منتخب کر دے یہ سنکر لوگ

چپ رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں دست بردار ہوتا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم جس کو چاہو ہم میں سے امیر بنا دو سان کے بعد اور لوگوں نے اس بات کو منظور کیا۔ لیکن حضرت علی کچھ نہیں بولے۔ عبدالرحمٰن نے ان سے کہا آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اس بات کا عہد کرو کہ بلا نفسانیت اور رشتہ داری کے خیال کے محض حق پرستی اور امت کی خیر خواہی پیش نظر رکھ کر انتخاب کرو گے انھوں نے کہا کہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ جس کو منتخب کروں گا اس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو گے میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ بلا رُو رعایت اور بلا خیال کسی قرابت کے محض اُمت کی خیر خواہی اور حق پرستی کی بنیاد پر انتخاب کروں گا۔ دونوں طرف سے عہد و پیمان ہو جانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے عبدالرحمٰن تین دن اور تین رات مدینہ میں صحابہ سے مشورہ کرتے رہے۔ تمام لوگ بلا اتفاق حضرت عثمان کے انتخاب کی رائے دیتے تھے صرف چند شخص تھے جو حضرت علی کو چاہتے تھے جس رات کی صبح کو تین دن کی مدت ختم ہونے والی تھی عبدالرحمٰن نے اس میں پہلے حضرت زبیر کو بُلایا اور ان سے کہا کہ امارت بنی عبد مناف کے دونوں بیٹوں (عثمان اور علی) کے حوالہ کر دو۔ اُنھوں نے کہا کہ علی کے حق میں چھوڑتا ہوں۔ پھر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا ان سے کہا کہ تم اپنا حق میرے

حوالہ کر دو۔ اُنھوں نے کہا اگر تم خلیفہ ہونا چاہتے ہو تو خوشی سے لیکن اگر عثمان کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ان کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم خود بیعت لے لو اور ہم کو ان جھگڑوں سے رہائی مل جائے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں تو خلافت سے دست بردار ہو چکا ہوں۔ حضرت طلحہؓ ان دنوں مدینہ میں نہیں تھے۔ اس لئے اُن کی رائے لینے کا موقع نہیں مل سکا۔

اس کے بعد حضرت علی کو بُلا کر دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے جب وہ چلے گئے تو حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے صبح تک باتیں کیں نماز کے بعد مہاجرین انصار اور دیگر اہل رائے کو مسجد میں جمع کیا اور کہا کہ امارو امصار کے لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقامات کو روانہ ہونے سے قبل ان کو معلوم ہو جائے کہ امت کا امیر کون قرار پایا ہے۔

اس پر مسجد میں چاروں طرف سے لوگوں نے اپنی اپنی رائیں ظاہر کرنی شروع کیں۔ حضرت سعد نے کہا کہ عبدالرحمٰن معاملہ کو جلد طے کرو کہیں فتنہ نہ واقع ہو جائے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے اچھی طرح غور کیا اور جہاں تک میری طاقت میں تھا ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ لیا۔ میرے فیصلہ سے اب کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور کہا کہ اللہ کو درمیان میں دے کر یہ عہد کرو کہ کتاب، سنت اور شیخین کے طریقے پر

چلو گے۔ انھوں نے جب اقرار کر لیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد سب لوگ بیعت کرنے لگے۔

حضرت علی اندوہگیں ہو کر مسجد سے باہر نکل آئے لیکن پھر پلٹے اور صفیں چیرتے ہوئے جا کر حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عثمان کی خلافت کی ابتدا یکم محرم سنہ ۲۴ھ مطابق ۷ر نومبر سنہ ۶۴۴ء سے ہوئی۔

ترجمۂ عثمان

حضرت عثمان بنی امیہ سے ہیں ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس تھیں آنحضرت صلعم کی ولادت کے پانچ سال بعد ان کی پیدائش ہوئی تھی۔

یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آغاز بعثت ہی میں حضرت ابو بکر کے سمجھانے سے اسلام لائے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی بیٹی رقیہ کے ساتھ کر دیا لیکن مشرکین مکہ نے جب اذیت پہنچانی شروع کی تو حضرت عثمان معہ رقیہ کے ملک حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

یہ اسلام میں سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ درمیان میں پھر مکہ آئے۔ اور جب مدینہ جانے کی اجازت ملی تو وہاں چلے گئے دونوں ہجرتیں انھوں نے کیں

تمام غزوات میں بجز بدر کے آنحضرت کے ساتھ رہے۔ بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہؓ سخت بیمار تھیں اس لئے سرورِ عالمؐ ان کی تیمارداری کے لئے اُن کو چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ فتح بدر کے بعد رقیہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت نے بدر کے مال غنیمت میں سے حضرت عثمان کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ اور شرکائے جنگ میں ان کو قرار دیا۔

رقیہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دیا اس لئے ذی النورین ان کا لقب ہوا۔

عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب یہ خبر شائع ہوئی کہ کفار نے ان کو قتل کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے جان دینے کی بیعت لی اور خود اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا اقرار دے کر بائیں ہاتھ پر مارا اور ان کی طرف سے بیعت کی۔

جیش العسرۃ جو تبوک کے لئے تیار کی گئی اس کا سامان انھیں کی کوشش مدد اور فیاضی سے ہوا۔ انھوں نے اس میں بے دریغ اپنا مال صرف کیا۔ بئر رومہ جو مدینہ کا ایک مشہور کنواں تھا اور جس کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جو اس کو مسلمانوں کے لئے خرید لے وہ جنتی ہوگا۔ اس کو انھوں نے خرید کر وقف کر دیا۔

آنحضرت کے زمانہ میں کاتب وحی اور حضرت عمر اور ابوبکر کے زمانہ میں

معتمد اور امین رہے وہ لوگ بڑے بڑے امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔

خطبۂ خلافت بیعت ہو جانے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے۔ اُس وقت مال و متاع دنیوی کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کی حالت میں جو تغیر آچکا تھا اس سے باز رکھنے کے لئے عمل صالح اور ثواب آخرت کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ دنیائے فانی کے چند روزہ جاہ و جلال پر مائل نہ ہو جانا چاہیئے۔ شیطان کے پھندے سے بچو اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گزارو۔

پھر امراء فوج اور والیان صوبجات کے نام ایک مراسلہ جاری کیا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں اور جس طریقہ سے خلیفہ سابق کے عہد سے خدمات انجام دیتے چلے آتے ہیں اسی پر قائم رہیں امانت داری اور وفاء عہد کا لحاظ رکھیں۔

پہلا مقدمہ حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر شایع ہوئی کہ اکیلا فیروز ہی ان کا قاتل نہیں ہے بلکہ اس میں ایک جماعت شریک ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے بیان کیا کہ شام کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ہرمزان اور جفینہ اور فیروز تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کوئی مشورہ کر رہے تھے جب میں اچانک ان کے قریب پہنچ گیا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے ان میں سے کسی کے پاس سے

ایک خنجر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔

جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک اسی قسم کا تھا جیسا عبدالرحمٰن نے بتایا تھا۔ چنانچہ جب اس زخم سے حضرت عمر انتقال کر گئے تو عبیداللہ بن عمر نے غصہ میں جاکر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد جفینہ کی طرف چلے۔ یہ حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا جس کو سعد بن ابی وقاص مدینہ میں لائے تھے کہ بچوں کو کتابت سکھائے۔

حضرت صہیب کو جو اس وقت عارضی طور پر خلافت کا کام کرتے تھے جب عبیداللہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ان کو گرفتار کر کے تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور اس وقت تک کے لئے قید کر دیا جب تک کہ کوئی خلیفہ منتخب نہ ہو۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان کے سامنے سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا۔ اُنھوں نے مہاجرین اور انصار سے پوچھا کہ اس میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ قصاص لینا چاہیئے لیکن دوسرے مہاجرین نے کہا کہ کل عمر کا انتقال ہوا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے عمرو بن عاص نے کہا کہ اے امیرالمومنین! اس معاملہ سے آپ کو کیا سروکار، یہ واقعہ آپ کی خلافت سے قبل کا ہے۔ حضرت عثمان نے آخر میں خود ہرمزان کے خون کی دیت اپنے ذمہ لی اور اس معاملہ کو طے کر دیا لوگ اس فیصلہ سے خوش ہوئے

فتوحات کوفہ میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی اور آذربائیجان کی حفاظت اسی کے ذمہ تھی۔ چھ ہزار سپاہی آذربائیجان اور چار ہزار رے کی حدود پر متعین رہتے تھے جو یہاں سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔

ولید بن عقبہ عامل کوفہ کے زمانہ میں اہل آذربائیجان نے بغاوت کی وہاں فوجکشی کی گئی۔ آخر کار وہ پھر اپنی شرائط کو پورا کرنے پر رضامند ہو گئے۔

آرمینیہ میں بھی وہاں کے باشندوں نے سازش کرکے سرکشی کی سلمان بن ربیعہ باہلی فوج کے ساتھ اس طرف بھیجے گئے۔ انھوں نے فتنہ کو دبا دیا۔

سعید بن عاص ایک لشکر جرار لے کر طبرستان میں گئے۔ اس میں امام حسن حسین۔ عبادلہ اربعہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عباس نیز حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے، متعدد سخت معرکے ہوئے۔ اہل طبرستان نے ہزیمت اٹھا کر مصالحت کی۔

۳۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی نے بحر خزر کے سواحل پر فوج کشی کی اور فتح کرتے ہوئے مقام دربند تک پہنچ گئے۔ وہاں غنیم نے بہت بڑی جمعیت فراہم کرکے مقابلہ کیا۔ عبدالرحمٰن شہید ہو گئے۔ اور اسلامی فوج نے شکست کھائی۔ پھر عبدالرحمٰن کے بھائی سلمان بن ربیعہ اس سرحد پر متعین ہوئے۔ انھوں نے دشمنوں کو روکا۔

فارس۔ خراسان اور حدود سندھ تک کا فوجی مرکز بصرہ تھا۔ عبدالرحمٰن بن عامر والی بصرہ کے عہد میں اہل فارس نے وہاں کے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کر ڈالا اور بغاوت کر دی۔ ابن عامر خود فوج لے کر اس طرف بڑھے اور ان کی سخت گوشمالی کی۔ انھیں کی امارت میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد مارا مارا گیا۔ اس کی موت سے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

سالہ ۳۱ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی۔ ابن عامر نے فوجکشی کی قہستان والوں نے امان مانگ لی پھر وہ نیشاپور کی طرف بڑھے۔ ان لوگوں نے بھی صلح کی وہاں سے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے مرد رود تک فتح کیا۔ اس کے بعد بلخ پر قابض ہوئے۔ پھر خوارزم کی طرف بڑھے مگر وہاں سے محاصرہ اٹھا کر واپس چلے آئے۔

ابن عامر نے ایک دوسرے سردار عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سیستان کی طرف بھیجا۔ انھوں نے کابل اور زابلستان کو فتح کیا۔ ابن عامر ان فتوحات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔

شام میں حضرت عثمان نے امیر معاویہ کو پورے صوبہ کا والی کر دیا۔ انھوں نے رومیوں پر فتوحات حاصل کیں۔ راستہ میں ان کے جس قدر قلعے ملے۔ ان میں اپنی فوجیں رکھ دیں۔ دربار خلافت کے حکم سے حبیب بن مسلمہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا جنھوں نے تفلیس تک فتح کیا۔

امیر معاویہ کا چونکہ زیادہ تر مقابلہ رومیوں کے ساتھ رہتا تھا جن کے پاس جنگی کشتیاں تھیں۔ اس لئے وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ ہم بھی اپنی بحری طاقت تیار کریں تاکہ سمندر میں ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو اپنے سواحل پر فوجیں نہ اُتارنے دیں۔ لیکن حضرت عمر بحری جنگ کو مسلمانوں کے لئے ایک قسم کی تعزیر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی درخواست نہیں منظور کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کو کشتیوں کے بنانے کی اجازت ملی لیکن اس شرط پر کہ مسلمان جبراً یا قرعہ اندازی کر کے بحری فوج میں نہ لئے جائیں۔ صرف وہی لوگ بھرتی کئے جائیں جو خوشی سے اس میں آنا چاہیں۔

امیر معاویہ نے جنگی کشتیاں تیار کرائیں۔ اور ۲۸ھ میں پہلا بحری حملہ جزیرہ قبرص پر کیا۔ اس میں حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ بہت سے صحابۂ رسول بھی مدینہ سے آکر شامل ہوئے۔ عبداللہ بن سعد سپہ سالار مصر بھی مدد کے لئے خود ساتھ گئے۔ اہل قبرص نے صلح کی۔ شرائط یہ تھے کہ وہ ہر سال سات ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے۔ اور اسی قدر رقم جو وہ رومیوں کو سالانہ دیتے ہیں مسلمان اس میں مزاحمت نہ کریں گے۔ اگر کوئی یہاں حملہ آور ہو تو مسلمان پر مدافعت لازم نہ ہوگی رومی جس وقت اسلامی ملک پر حملہ کا سامان کریں گے تو اہل قبرص مسلمانوں کو

اطلاع دیں گے اور اسلامی فوج اگر یہاں سے گزرنا چاہے گی تو اس کو گزرنے کا حق ہوگا۔

امیر معاویہ نے فوج کے دو حصے کئے تھے شاتیہ اور صائفہ یعنی سرمائی وگرمائی۔ ایک حصہ جاڑے کے موسم میں جنگ میں معروف رہتا تھا دوسرا گرمی میں۔ عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر تھے۔ انھوں نے رومیوں کے ساتھ متعدد لڑائیاں کیں لیکن کبھی ان کے بیڑے کا کوئی آدمی غرق نہیں ہوا۔

مصر میں اسکندریہ کے رومیوں کے ساتھ بعض قبطی سردار مل گئے انھوں نے ہرقل سے خط وکتابت کر کے امداد طلب کی۔ اس نے ایک عظیم الشان بیڑہ روانہ کیا اور اسکندریہ میں فوجیں اتار دیں۔ عمرو بن عاص والی مصر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پہنچ کر رومیوں کو سخت شکست دی۔ اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے اس کی فصیل کو توڑ دیا۔

سنہ ۲۵ھ میں عبداللہ بن سعد افریقیہ کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ حضرت عثمان نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے وہاں رومیوں کو مغلوب کر لیا۔ تو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ تم کو انعام دیا جائے گا۔ انھوں نے خلیفہ سے امداد طلب کی۔ بمشورہ صحابہ سنہ ۲۶ھ میں امداد روانہ کی گئی جس میں عبادلہ اربعہ اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے جب برقہ سے آگے بڑھے تو قیصر کی طرف سے شہر یعقوبہ کا والی جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیکر مقابلہ

میں آیا اور لڑائی ہونے لگی۔ عبداللہ بن زبیر نے ابن سعد کو میدان میں نہ دیکھا پوچھا کہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ جرجیر نے اعلان کرایا ہے کہ جو شخص ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دوں گا اور اسی کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ اس وجہ سے وہ فوج کے پیچھے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ہماری طرف سے اعلان کرا دو کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کو ایک لاکھ دینار دیں گے اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی کر دیں گے نیز یہ کہ اس کے بجائے اس کو یعقوبیہ کا والی بنا دیں گے۔

چند روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے جی توڑ کر حملہ کیا اور غالب آ گئے۔ جرجیر کو عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ اس کی بیٹی انہیں کو ملی۔ اس فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ جو دیا گیا تھا وہ ایک لاکھ دینار تھا۔

پھر وہاں سے فوجی دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے۔

ابن سعد کے عہد میں قیصر نے چھ سو کشتیوں کا ایک بیڑا لیکر مصر پر حملہ کیا۔ شام سے امیر معاویہ اپنی بحری فوج لے کر ابن سعد کی امداد کو پہنچ گئے۔ جب رومیوں سے سمندر میں مقابلہ ہوا تو اسلامی فوج نے اپنی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح جنگ کی۔ رومیوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

اس طرح پر اسلامی بیڑہ کی طاقت بڑھ گئی اور رومیوں کے بحری حملوں اور تاخت و تاراج سے شام و افریقہ کے سواحل محفوظ ہو گئے۔

فتنۂ داخلیہ

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اعیان قریش کو مدینہ میں روک رکھا تھا ان کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔ کبھی ان میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا اور پھر واپس آجاتا اگر کوئی کسی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا تو اس کو اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو ان کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے۔

ہر چند کہ لوگ اس کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے۔ لیکن وہ ان کو مدینہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائیگا۔

حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اٹھا دیا اور رؤساء قریش جابجا دیار و امصار میں پھیل گئے۔

قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان کے سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں جہاں گئے اُن کی عزت اور حرمت ہوئی اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا کہ مختلف شہروں میں ان کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائدادیں ہو گئیں۔ لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط ان میں مجتمع تھے۔ اس لئے ان کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور ان کی وجہ سے خیالات و آراء میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت عمر کی دُور اندیشی کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انھوں نے انہیں نتائج کو پیش نظر رکھ کر ان رؤساء کو اپنے پاس روک رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے تاکہ ان میں باہمی اختلاف کے اسباب نہ پیدا ہو سکیں۔ چنانچہ ان کے آخر عہد تک وہ لوگ متفق اور متحد اور شقاق و افتراق سے ناآشنا تھے اور جب رؤسا باہم متفق رہیں تو امت میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ عہد عثمان میں اعیان قریش کے متفرق ہو جانے سے ان میں وہ اتحاد جو پہلے تھا باقی نہ رہ سکا۔ علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے شورش انگیز لوگوں نے غوغاء عام شروع کیا۔ چونکہ اس شورش میں کوفہ، بصرہ اور مصر تینوں مقامات کے لوگ شریک تھے اس وجہ سے ہر ایک جگہ کی مختصر کیفیت

لکھنی ضروری ہے۔

کوفہ حضرت عثمان نے کوفہ کا امیر سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔ خراج کی تحصیل پر حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور صحابی تھے۔ حضرت سعد نے ان سے کوئی رقم ایک مدت معینہ کے لئے قرض لی۔ جب وہ مدت گزر گئی تو عبداللہ بن مسعود نے تقاضا کیا۔ سعد بروقت ادا نہ کر سکے۔ دونوں میں باہم کچھ گرم گفتگو ہوئی۔ بعض لوگ سعد کے طرف دار ہو گئے اور بعض ابن مسعود کے۔ ردّ و قدح کے بعد ابن مسعود واپس آئے لیکن دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے مکدر ہو گئے۔

حضرت عثمان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے دونوں پر عتاب فرمایا اور سعد کو معزول کر کے ان کی بجائے ولید بن عقبہ کو بھیجا۔

ولید کا برتاؤ اچھا تھا اور لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ چند اوباش کسی شخص کے گھر میں نقب لگا کر گھسے اور اس کو مار ڈالا۔ وہاں ایک ہنگامہ ہوا۔ سرکاری سپاہی موقع پر پہنچ گئے۔ انھوں نے مجرموں کو پکڑ لیا۔ وہ قصاص میں قتل کئے گئے۔ اب ان کے رشتہ داروں نے موقع ڈھونڈنا شروع کیا کہ کسی طرح ولید کی شکایت خلیفہ کے سامنے کریں۔

ولید کی محفل میں رات کے وقت جو لوگ جمع ہوتے تھے ان میں ابو زبید طائی بھی تھا جو پہلے عیسائی تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ

شہرت تھی کہ شراب خور ہے۔ ولید کے ان دشمنوں نے یہ خبر اڑائی کہ وہ بھی ابو زبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ ابن مسعود سے بھی جا کر کہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص ہم سے چھپا کر کوئی کام کرے ہم کو اس کے تجسس کی کیا غرض ہے۔ ولید نے جب یہ سنا تو ابن مسعود سے کہا کہ ان فتنہ پردازوں کو اس قسم کا جواب نہیں دینا چاہیئے تھا جیسا آپ نے دیا۔ میں کونسا کام چھپا کر کیا کرتا ہوں۔ اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی ان کی باتوں کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا۔ اس پر ولید اور ابن مسعود میں سخت کلامی ہوئی اور دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔

ان مخالفین نے خلیفہ کے پاس جا کر ولید پر شراب خواری کا الزام لگایا اور دو شخصوں کو جن کو ولید نے ان کی بدلیاقتی کی وجہ سے ملازمت سے معزول کر دیا تھا شہادت میں پیش کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہم ولید کی محفل میں شریک تھے، ہم نے دیکھا کہ اس نے قے کی اور اس میں شراب نکلی۔ ولید کوفہ سے بلائے گئے۔ ان پر حد جاری کی گئی اور ان کے بجائے سعید بن عاص کوفہ کے امیر مقرر ہوئے۔

سعید نے کوفہ کی حالت نہایت خراب دیکھی۔ دربار خلافت میں لکھ بھیجا کہ یہاں کی مخلوق شورش پسند ہے۔

ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ سعید کی محفل میں کسی نے حضرت طلحہ کی

فیاضی کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ جس کے پاس نشاستج جیسی زرخیز ملکیت ہو اس کو فیاض ہونا ہی چاہیئے۔ اگر میرے پاس بھی ایسا کوئی قطعہ زمین کا ہوتا تو میں تم کو خوش کر دیتا۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا کہ سواحل فرات کا علاقہ جو آل کسریٰ کی جاگیر میں تھا اس کو آپ لے لیجئے۔ یہ سُنکر کوفہ کے چند آدمی بول اُٹھے کہ اللہ تجھے غارت کرے ہماری زمین تو امیر کو دینا چاہتا ہے۔ مالک اشتر نخعی اور عمیر بن ضابی تو اس قدر برہم ہو گئے کہ اٹھ کر اس نوجوان کو پیٹ دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے قبیلے کے لوگ بھی طرف داری کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اگر خود سعید نے بیچ میں پڑ کر اس جھگڑے کو نہ روک دیا ہوتا تو سخت بلوہ ہو جاتا۔

اس کے بعد سعید نے ان لوگوں کو اپنی محفل میں آنے سے روک دیا۔

اب ان کا کام بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ سعید کو بدنام کر کے لوگوں کو ان کی طرف سے بھڑکائیں۔ ہر روز ایک نہ ایک قسم کا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود شرفاء کوفہ نے خلیفہ کے پاس درخواست بھیجی کہ یہ فتنہ پرداز یہاں سے نکال دیئے جائیں۔ وہاں سے حکم آیا کہ ان کو شام میں بھیجدو تاکہ امیر معاویہ کی نگرانی میں رہیں۔ چنانچہ ان شورش انگیزوں کے سرغنہ مالک بن حارث اشتر نخعی ثابت بن قیس نخعی کمیل بن زیاد نخعی زید بن صوحان عبدی جندب بن زہیر غامدی جندب بن کعب ازدی عروہ بن جعد عمرو بن الحمق الخزاعی امیر معاویہ کے پاس بھیجے گئے۔ وہاں تھوڑے دنوں تک

رہے۔ انھوں نے ان کو سمجھایا بھی اور دھمکایا بھی لیکن ان کے سروں میں شورش کا سودا بھرا تھا۔ راہ راست پر نہ آئے۔ امیر معاویہ نے خلیفہ کو خط لکھا کہ مجھ سے ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ خلیفہ نے لکھا کہ حمص میں عبدالرحمن بن خالد کے پاس بھیجدو۔ عبدالرحمن نے ان لوگوں کی سخت گوشمالی کی۔ آخر انھوں نے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس لئے خلیفہ نے ان کو کوفہ واپس جانے کی اجازت دے دی۔ کوفہ میں جب آئے تو پھر وہی فتنہ انگیزی شروع کی اور حضرت عثمان اور ان کے عمال کی برائیاں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سعید بن عاص خود مدینہ گئے تاکہ خلیفہ کو یہاں کی حالت سے مطلع کریں۔ جب واپس آنے لگے تو یہ لوگ متفق ہو کر ایک جماعت کثیر اپنے ساتھ لئے ہوئے کوفہ سے نکلے کہ اب ہم سعید کو یہاں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمان نے دفع شر کے خیال سے سعید کو بلا لیا اور ابو موسیٰ اشعری کو وہاں کا والی بنا کر بھیج دیا لیکن وہ ان کی فتنہ پردازی کا انسداد نہیں کر سکے بلکہ دن بدن ان کی طاقت اور جماعت بڑھتی جاتی تھی اور حکومت کا نفوذ اور اثر کم ہوتا جاتا تھا۔

بصرہ

یہاں کے والی عبداللہ بن عامر تھے جنہوں نے ایران کی فتوحات میں بڑے بڑے کام انجام دیئے تھے۔ ان کے عہد میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ تھا جو غارت گری کیا کرتا تھا۔ اور بھیس

کیا کہ ہر ہر مقام سے کچھ کچھ لوگ نکل کر مدینہ چلیں اور یہ ظاہر کریں کہ ہم خلیفہ سے امور سلطنت کے متعلق چند باتیں دریافت کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگوں میں یہ شہرت ہو جائے کہ مسلمانوں کی ایک حق جو اور خیر خواہ جماعت خلیفہ کی غلطیوں کا اس سے مواخذہ کرنے جارہی ہے۔ اس قرارداد کے مطابق بصرہ۔ کوفہ اور مصر تینوں مقامات سے ان کا ایک ایک وفد روانہ ہوا اور مدینہ کے متصل پہنچ کر سب مل گئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے۔

حضرت عثمان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ معلوم کریں کہ کس غرض سے یہ وفد آئے ہیں۔ انھوں نے واپس جاکر اطلاع دی کہ ان کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی غلطیاں ظاہر کرکے اصرار کریں کہ خلافت سے دست کش ہو جائیں۔ ورنہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔

حضرت عثمانؓ یہ سنکر ہنسے ان لوگوں کو بلایا اور مہاجرین و انصار کو جمع کیا پھر ان کی ساری شکایتیں سنیں۔ اس کے بعد صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کے بارہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں۔ جب تک کسی سے کفر ظاہر نہ ہو یا حد شرعی نہ واجب ہو اس وقت تک ان کو سزا دینا قرین انصاف نہیں۔

اس کے بعد ان کی ایک ایک شکایت کا مفصل جواب دینا شروع کیا۔ فرمایا:-

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے منا میں پوری نماز پڑھی اور قصر نہیں کیا حالانکہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ جب کسی مسافر کے اہل و عیال کسی مقام پر ہوں تو وہ مقیم ہے۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ مہاجرین اور انصار نے کہا کہ صحیح ہے۔

(۲) یہ کہتے ہیں کہ تم نے چراگاہ کو مخصوص کر دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ میں نے کون سی چراگاہ مخصوص کر دی۔ مدینہ میں صرف ایک چراگاہ بیت المال کے جانوروں کے لئے ہے جو میری خلافت سے قبل مخصوص کر دی ہے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب میں خلیفہ ہوا تھا اس وقت مجھ سے زیادہ مدینہ میں کسی کے پاس اونٹ تھے نہ بکریاں تھیں۔ آج میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جن کو میں نے حج کی سواری کے لئے رکھ چھوڑا ہے اور جو چرائی پر نہیں جاتے۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟ سب نے کہا کہ درست ہے۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ تھا۔ تم نے صرف ایک کتاب رکھی۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن صرف ایک کتاب ہے اور اکیلے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کون گھٹا بڑھا سکتا ہے اس کی کتابت میں نے نہیں کی ہے بلکہ معتمد صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے کیا اس میں کوئی بات غلط ہے آواز آئی کہ نہیں ہرگز نہیں؟

(۴) یہ کہتے ہیں کہ حکیم بن العاص کو طائف سے تم نے کیوں بلا لیا۔ میں

کہتا ہوں کہ حکیم کو مکہ سے آنحضرت نے نکال کر طائف میں بھیجدیا تھا۔ پھر اپنی زندگی ہی میں ان کو طائف سے مکہ میں بلا لیا کیا یہ میرا قول ٹھیک نہیں ہے؟ ہر طرف سے جواب ملا کہ ٹھیک ہے۔

(۵) یہ کہتے ہیں کہ تم نے نوجوان شخص (عبداللہ بن عامر) کو والی بنا دیا ہے۔ حالانکہ میں نے لیاقت۔ عقل و دینداری اور ایمانداری کو جانچ کر ان کو امیر مقرر کیا ہے۔ محض نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں۔ مجھ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ اسامہ کو جن کی عمر صرف ۱۷ سال کی تھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا کیا میں بیجا کہتا ہوں متفقہ طور پر لوگ بول اٹھے کہ نہیں آپ نے بجا فرمایا۔

(۶) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے رشتہ داروں کو سارا مال غنیمت بخش دیا۔ حالانکہ میں نے عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت میں سے صرف پانچواں حصہ دیا تھا۔ مجھ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا ہے باوجود اس کے جب مجھے علم ہوا کہ فوج نے اس کو ناپسند کیا تو میں نے وہ رقم ابن سعد سے واپس لے لی۔ یہ واقعہ نہیں ہے؟ سب نے کہا کہ ہے۔

(۷) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے اقرباء کو امارتیں دے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت ہو اس لئے کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں تاہم اگر لوگ اس امر کو ناپسند کرتے ہیں تو ان کی بجائے دوسروں کو مقرر کرنے کے لئے تیار ہوں جو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ

کام کر سکیں۔

(۸) یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خاندان کی محبت رکھتا ہوں اور ان کو دیتا ہوں دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے کنبہ والوں کی محبت رکھنا گناہ ہے جب تک کہ اس سے کسی کا حق ضائع اور کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔ میں ان کو عطیے بھی دیتا ہوں لیکن اپنے خاص مال میں سے۔ عہد رسالت سے میں ان کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرتا رہا ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بیت المال میں سے آج تک میں نے خود اپنے خرچ کے لئے ایک حبہ نہیں لیا اپنے ذاتی مال میں بھی مجھکو تصرف کا اختیار نہیں ہے کہ اپنے کنبہ کے جن شخص کو چاہوں دوں؟

اس وقت ان وفود کے ساتھ اور کچھ نہیں کیا۔ صرف جواب دینے پر اکتفا کی اور ان کو رخصت کر دیا۔

لیکن ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات سے تسلی حاصل کریں بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے خلاف ملک میں شورش پھیلائیں۔

مدینہ سے واپس آکر انھوں نے پھر باہم مراسلت شروع کی اور آپس میں یہ طے کیا کہ تینوں مقامات سے پھر ایک ایک جماعت یہ ظاہر کرکے کہ ہم

ـــــــــــــــــــ

ﻟـﻪ حضرت عثمان نے اپنی زمین اور اپنے مال کو تمام بنی امیہ میں تقسیم کر دیا تھا اس میں اپنے بیٹوں کا حصہ بھی سب کے برابر ہی رکھا تھا۔

میں عمرہ کے لئے جاتے ہیں اور سب مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ مصر سے ایک ہزار آدمی روانہ ہوئے جن کا سردار غافقی بن حریب تھا۔ عبداللہ بن سبا بھی ساتھ تھا۔ ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ مدینہ کے نام سے نکلتے۔ بلکہ حسب قرار داد مکہ کی زیارت کا قصد مشہور کر کے روانہ ہوئے۔

کوفہ سے بھی اسی قدر آدمی چلے۔ ان کا امیر عمرو بن اصم تھا اور بصرہ والوں کی تعداد بھی اسی قدر تھی اس کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔

ہر ہر مقام کے لوگ ایک ہی بار نہیں نکلے بلکہ چار چار مختلف قافلے بنا کر نکلے۔ پھر آگے بڑھکر ایک ساتھ ہو گئے اور مدینہ کے متصل پہنچ کر تینوں مقامات کے لوگ مل گئے۔

اس امر میں سب متفق تھے کہ خلیفہ وقت کو قتل کر دیں لیکن ان کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں۔ اس میں اختلاف تھا۔ بصرہ کے چند لوگ حضرت طلحہ کے خواہاں تھے اور بعض اہل کوفہ حضرت زبیر کے۔ لیکن بقیہ لوگ اور خاص کر اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم اور محمد بن ابوبکر کے اثر سے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب تھے حضرت علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ٹھہر گئے اور دو آدمیوں کو بھیجا کہ مدینہ کی حالت دیکھ آئیں کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کے آنے کی اطلاع وہاں نہ پہنچ گئی ہو اور اہل مدینہ ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو گئے ہوں۔

ان لوگوں نے جب مدینہ کی حالت دیکھ لی کہ یہاں سکون ہے تو حضرت علی۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے ملے اور کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو خلیفہ کے پاس لے چلیں تاکہ ہم ان سے درخواست کریں کہ وہ مصر کے والی کو جس کے ظلم سے ہم تنگ آگئے ہیں واپس بلالیں لیکن ان سب لوگوں نے انکار کر دیا۔

وہ دونوں اپنی جماعت میں واپس آگئے اور مدینہ کے حالات بیان کئے۔ دوبارہ تینوں مقامات کے لوگ زیادہ تعداد میں آئے۔ اہل مصر حضرت علی کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ جب حضرت عثمان ہماری شکایات نہیں سنتے تو بہتر یہ ہے کہ خلافت کی باگ آپ اپنے ہاتھ میں لیں انھوں نے قطعی انکار کیا۔ پھر حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس گئے وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ یہ لوگ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے اس کے بعد متفقہ طور پر یہ ساری جماعت مدینہ کے پاس پہنچ گئی اور چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھے گا اس کو امان ہے۔

حضرت علیؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم لوگ یہاں سے جانے کے بعد پھر کیوں واپس آگئے؟ اہل مصر نے کہا کہ ہم نے ایک خط پکڑا جو ایک قاصد کے ہاتھ خلیفہ نے والیٔ مصر کے نام بھیجا ہے جس میں حکم لکھا ہے کہ ہم جس وقت

ں پہنچیں وہ ہم کو قتل کر دے۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ نے اہل کوفہ و بصرہ سے
چھا کہ تم کیسے آ گئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی امداد
آئے ہیں انھوں نے کہا کہ تمہارا راستہ بالکل دوسری سمت میں تھا۔ یہاں
ے تین منزل جانے کے بعد تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے متعلق
یا فرمان نافذ ہوا ہے اور اس کو انھوں نے پکڑ لیا ہے جو تم ان کی امداد کے
لیے واپس آ گئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگوں کا بیان غلط ہے۔
نے پہلے ہی سے اس کی سازش کر رکھی تھی۔

ان لوگوں نے کہا کہ آپ جو چاہیں خیال کریں ہم کو اس خلیفہ کی ضرورت
ہیں ہے۔ اس کا خون بہانا حلال ہے۔ آپ بھی اس میں ہمارے ساتھ شرکت
لیجئے انھوں نے کہا کہ میں اس میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا ان لوگوں
نے کہا کہ پھر آپ نے ہم کو لکھا کیوں تھا حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے کبھی کچھ
کو نہیں لکھا۔ یہ سنکر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسدوں نے حضرت علیؑ کی طرف سے جعلی
خطوط بھیجکر لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا تھا۔ حضرت علیؑ ان کو چھوڑ
کر مدینہ سے باہر چلے گئے۔

وہ لوگ اس فرمان کو جس کی بابت وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نے خلیفہ
کے قاصد کو پکڑ کر چھینا ہے لے کر حضرت حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ

آپ نے ہمارے بارے میں یہ حکم لکھا ہے :

انھوں نے جواب دیا کہ دو صورتیں ہیں یا تو تم اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرو۔ ورنہ مجھ سے قسم لے لو جو میں نے اسے لکھا ہو یا اس کا علم بھی ہو تم جانتے ہو کہ کسی کی طرف سے خط لکھ لینا بہت آسان ہے۔ نیز ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جا سکتی ہے۔

باغیوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے قتل کا فرمان لکھا ہے ہم آپ کی خلافت نہیں چاہتے بلکہ آپ کا خون ہمارے لئے مباح ہے۔ پہلے انھوں نے زور دیا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ جو عزت کی قمیض اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پہنائی ہے میں خود اس کو نہیں اُتاروں گا۔

چند دنوں تک یہ مسجد میں ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ لیکن پھر باغیوں نے ان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی روک دیا۔ بڑی کوشش سے مخفی طور پر ایک پڑوسی کے ذریعہ سے ان کے یہاں پینے کے لئے پانی پہنچایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان ان سرکشوں کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

محاصرہ ہی کی حالت میں عبد اللہ بن عباسؓ کو امیر الحاج مقرر کیا اور اپنی مفصل حالت لکھ کر ان کو دی کہ مکہ میں مسلمانوں کو سُنا دیں۔

باغیوں نے سوچا کہ محاصرہ میں زیادہ دیر ہو گئی تو جا بجا سے مسلمان خلیفہ کی مدافعت کے لئے آجائیں گے اس لئے انھوں نے عجلت کر کے گھر کے دروازے میں آگ لگا دی اور اس کو گرا کر اندر گھس آئے۔ بعض لوگ ابن حزم کے مکان میں سے جو خلیفہ کے پڑوسی تھے کُود کر داخل ہوئے۔

حضرت عثمان نے یہ حالت دیکھ کر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا۔ حضرت علی طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بیٹے وغیرہ جوان کی مدافعت کے لئے آگئے تھے اور جن کی تعداد اس قدر کم تھی کہ ان سے کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ ان کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تم لوگ میرے لئے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور خود اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔

پہلے باغیوں کی ایک جماعت ان کی طرف آئی جن میں محمد بن ابو بکر تھے لیکن اس نے قتل نہیں کیا۔ پھر مصریوں کا سردار غافقی پہنچا۔ اس نے چھرے سے وار کیا۔ اس کے بعد سودان بن حمران نے تلوار ماری۔ حضرت عثمان کی وفادار بیوی نائلہ بنت الفرافصہ روکنے کی غرض سے ان کے اوپر آ کر گریں سودان کی تلوار سے ان کی نصف ہتھیلی معہ انگلیوں کے کٹ کر دُور جا پڑی۔ پھر کسی تیسرے شخص نے خلیفہ کی گردن تن سے جدا کر دی۔ اس کے بعد باغیوں نے گھر کا سارا مال و متاع لوٹ لیا۔ اور مدینہ میں ان کے قتل کا اعلان کر دیا۔

محاصرہ کی کل مدّت ۲۲ روز تھی اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو وہ قتل ہوئے۔ اسی منحوس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی۔

قتل کے اسباب

۱۔ بزرگان ملّت جب باہم ایک دوسرے کے خیرخواہ اور حامی ہوں تو امت میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہوسکتا لیکن جب ان کے دلوں میں محبت کے بجائے نفرت پیدا ہو جائے۔ تو مفسدین کو موقع مل جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت روسا مدینہ کا تھا ان میں سے بعض دو بدو اور بعض پس پشت حضرت عثمان کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے ان کی تحقیر ہوتی تھی۔ عام طور پر ان کو نعثل کا خطاب دے رکھا تھا جو ایک مصری شخص کا نام تھا جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی اور غالباً اس کے سوا اور کوئی عیب ان کے اندر پایا بھی نہیں جاتا تھا۔

حضرت عثمانؓ ان باتوں کو برداشت کرتے تھے کیونکہ کسی کے اوپر سختی کرنا بالطبع ان کو ناگوار تھا۔

روساکی ان حقارت آمیز باتوں کا اثر عوام پر بہت بُرا پڑا۔ ان کے دلوں سے خلیفہ اور اسی کے ساتھ خود خلافت کی ہیبت و عظمت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز کسی شخص نے اُٹھ کر اس عصا کو توڑ کر پھینک دیا جس کو ہاتھ میں لے کر حضرت عثمان مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھا کرتے

تھے۔ حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ حلم۔ حیا اور نرم مزاجی میں ہمیشہ سے مشہور تھے اور وہ اس سے بہت خائف رہتے تھے کہ کسی فتنہ کا آغاز ان کی ذات سے ہو۔ اسی لئے اکثر امور میں چشم پوشی کرتے تھے اور نرمی سے کام لیتے تھے۔ یہ خلق کسی حکیم یا عالم میں ہو تو بہت قابل تعریف ہے۔ لیکن فرماں روا اور خلیفہ کے لئے پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اس سے حکومت اور خلافت کا رعب رعایا کے دلوں میں قائم نہیں رہتا اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں نیز فتنہ پرداز اس کی نرم خلقی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں میں شورش پھیلانے لگتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان کو ان کے امراء نے حج کے موقع پر متفقہ طور پر یہ مشورہ دیا تھا کہ ان مفسدوں کی گوشمالی کیجئے۔ لیکن انھوں نے سختی کو پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا۔ پھر جب وہ لوگ پہلی بار مدینہ میں آئے تو وہاں بھی اہل رائے نے یہی کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔ لیکن انھوں نے اس وقت بھی کچھ نہیں کیا۔ صرف ان کے جوابات دینے پر کفایت کی حالانکہ ان مفسدوں کا مقصد اصلاح نہ تھا۔ بلکہ فساد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ عبداللہ بن سبا جو اس تمام فتنہ کا بانی تھا اس کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی تفرقہ ڈال کر ان کو برباد کر دے۔ اس نے اس زمانہ کے نیک اور سادہ دل عوام کو رسول اللہ اور ان کی آل کی محبت کے

اظہار سے اپنے دامِ فریب میں پھنسالیا اور وہ اس کے کہنے سے بالکل جھوٹے اور غلط الزامات لگاکر خلیفہ اور امراء وقت کے مخالف ہو گئے۔ انھوں نے ولید بن عقبہ کی شکایت کی۔ یہی ولید حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کی وفات تک عامل رہے تھے۔ وہ سعید بن عاص کے دشمن ہو گئے جن کو بصرہ کے باشندے سب سے بہتر امیر تسلیم کر چکے تھے۔ امیر معاویہ پر الزامات تراشے تھے جو خلیفہ اول بلکہ عہدِ رسالت سے معتمد علیہ تھے اور جن کی بدولت رومیوں کے مقابلہ میں اسلام کو زبردست قوت اور شوکت حاصل ہو گئی تھی عبداللہ بن سعد والی افریقیہ کے مخالف تھے اس وجہ سے کہ آنحضرت نے ایک بار ان کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے بیچ میں پڑ کر معاف کرا لیا تھا حالانکہ جب دربارِ رسالت سے ان کا جرم معاف کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے اوپر ایک دائمی پردہ ڈال دیا گیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس فساد انگیز جماعت کی طرف امت کے رہنماؤں نے بھی بروقت توجہ نہ کی۔ آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے عظیم الشان فتنہ کا دروازہ کھل گیا جو بڑی تباہیوں کا موجب ہوا۔

اِس حادثہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ان میں سب سے کم قصور ہے۔ کیونکہ بردباری اور نرم خوئی کسی زمانہ میں بھی قابلِ ملامت نہیں سمجھی گئی ہے۔ رؤسا مدینہ جن میں اعیان

صحابہ اور امرار لشکر موجود تھے ان کے اوپر تاریخ یہ گرفت کر سکتی ہے کہ انھوں نے خلیفہ کی حمایت اور مدافعت میں پوری کوشش نہیں کی۔ ورنہ یہ شورش انگیز آفاقی کبھی اس طرح خلیفہ کو قتل اور خلافت کو ذلیل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ در اصل نتیجہ تھا اس بات کا کہ دلوں میں باہم وہ اتحاد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جو پہلے خلفار کے وقت میں تھا۔

دفن عثمان عجیب بات یہ ہے کہ ان باغیوں نے قتل کرنے کے بعد حضرت عثمان کے دفن کی بھی اجازت نہیں دی۔ بڑی مشکل سے مخفی طور پر رات کو چند آدمیوں نے لے جا کر ان کو دفن کیا حضرت جبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بیت عثمان رض اول بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جن کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پھر رقیہ کے بعد ان کی دوسری بہن ام کلثوم ان کے نکاح میں آئیں۔ تیسری بیوی فاختہ بنت عزدان تھیں۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ اصغر رکھا۔ یہ بھی کمسنی میں گزر گئے۔ چوتھا نکاح ام عمرو بنت جندب کے ساتھ کیا۔ ان سے عمر، خالد، ابان اور مریم چار اولادیں ہوئیں۔ پانچواں نکاح فاطمہ مخزومیہ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ولید، سعید اور ام سعید تین بچے ہوئے۔

ام البنین بنت عیینہ بن حصن فزاری بھی ان کے نکاح میں آئیں۔ اُن کے شکم سے عبدالملک پیدا ہوئے جو لڑکپن میں وفات پا گئے۔ ساتواں نکاح رملہ بنت شیبہ سے ہوا۔ ان سے عائشہ، ام ابان اور ام عمرو تین بیٹیاں ہوئیں۔ آخری بیوی نائلہ بنت الفرافصہ تھیں۔ ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئیں۔

جس وقت قتل ہوئے اس وقت فاختہ۔ ام البنین۔ رملہ اور نائلہ چار بیویاں تھیں۔

مآثر عثمان

حضرت عثمانؓ ابتدا سے حیا۔ حسن صورت و سیرت اور دانائی میں مشہور اور قریش میں ہر دلعزیز تھے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ یہی تھے۔ پھر مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ جیش عسرۃ کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے۔ بئر رومہ جو یہودیوں کا کنواں تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ سنہ ۲۶ھ میں کعبہ کے ارد گرد کے مکانات خرید کر حرم کو بڑھایا۔ اسی طرح سنہ ۲۹ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور چونے اور پتھر سے اس کی تعمیر کی۔ رمضان میں اہل مدینہ کو کھانا کھلاتے تھے اور کوفہ میں بھی ضیافت خانے بنوائے تھے۔ شرافت۔ خوش خلقی۔ عبادت۔ تقویٰ اور کرم میں نہایت ممتاز تھے اور

عدل وانصاف ومساوات کے اسی قدر عاشق تھے جس قدر حضرت عمرؓ۔ آخری زمانۂ خلافت میں کبرسنی کی وجہ سے اگر بنی امیہ اور خاص کر مروان بن حکم کی رائے میں نہ آگئے ہوتے تو ان کا زمانہ عہد فاروقی سے کم نہ ہوتا۔

صحابہ میں کتاب اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ قرآن سے ان کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ساری رات اس کی تلاوت میں گزار دیتے تھے۔

جب اختلاف قرأت کا خوف ہوا تو امت کو ایک قرأت پر مجتمع کرنے کے لیے مصحف اصلی کا ایک ایک نسخہ نقل کرا کے ہر ہر صوبہ میں بھیج دیا جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں۔

عمال عہد عثمان

مکہ	عبداللہ بن حضرمی
طائف	قاسم بن ربیعہ ثقفی
صنعاء	یعلیٰ بن منیتہ
جند	عبداللہ بن ربیعہ
بصرہ	عبداللہ بن عامر
کوفہ	ابوموسیٰ اشعری
شام	امیر معاویہ
قنسرین	حبیب بن مسلمہ فہری
مصر	عبداللہ بن سعد

بیت المال پر عقبہ بن عامر اور قضا پر حضرت زید بن ثابت تھے۔

اگرچہ ان امراء میں سے صرف تین شخص حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ یعنی امیر معاویہ، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد لیکن اصلیت یہ ہے کہ بڑی بڑی ولایتیں صرف پانچ تھیں۔

بصرہ۔ اس کے تابع تمام مشرقی مقبوضات تھے۔

کوفہ۔ رے اور آذربیجان کا دارالحکومت تھا۔

قنسرین۔ اس کے ماتحت سارا آرمینیہ تھا۔

مصر۔ کل افریقی مفتوحات کا مرکز تھا۔

شام۔ پورے چار صوبوں حمص، دمشق، فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔

ان پانچ میں سے تین پر ان کے رشتہ دار تھے جو اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے تھے۔ کوفہ میں بھی پہلے سعید بن عاص تھے جو حضرت عثمان کے قرابت مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے ان پر نکتہ چینی کی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو حکومتیں دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

حضرت علیؓ کے انتخاب کی کیفیت سابقہ خلفاء کے انتخاب سے بالکل جداگانہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خفیف اختلاف کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ جب وہ گزر گئے تو حضرت عمرؓ بذریعہ فرمانِ ولی عہدی خلیفہ مقرر ہوئے اور کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح خلیفہ ثالث کے انتخاب کے موقع پر چند افراد میں سے ایک خاص شخص کا تعین کرنا تھا۔ وہ بھی کثرتِ رائے سے طے پاگیا۔ اور باہم کوئی نزاع نہیں پیدا ہوئی۔ کیونکہ ان تینوں موقعوں پر اکابر صحابہ اور اعیان مہاجرین و انصار بیشتر مدینہ میں موجود تھے جن کے اتفاق کے بعد تمام امت کا اتفاق ہوجاتا تھا۔

انتخاب حضرت عثمانؓ کے حادثہ کے وقت بیشتر بندگان امت دوسرے مقامات میں تھے اور قدرتاً مدینہ میں انھیں لوگوں کو غلبہ

حاصل ہو گیا تھا جنھوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا۔ ان کی نگاہ میں حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہ تھا۔ چنانچہ باوجود ان کے انکار کے بھی اصرار کر کے ان کو خلیفہ بنایا۔ سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر مالک اشتر نے بیعت کی۔ پھر دوسرے لوگوں نے۔

ان کے نزدیک اب سب سے اہم یہ بات تھی کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی بیعت کر لیں۔ کیونکہ یہ لوگ بھی رجال شوریٰ سے اور خلافت کے امیدواروں میں سے تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ وہ بلائے گئے حضرت طلحہؓ کو کچھ پس و پیش ہوا۔ اس پر اشتر نے تلوار کھینچ کر کہا کہ اگر بیعت نہ کروگے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ مجبوراً انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت زبیرؓ نے بھی انھیں کی تقلید کی۔

سعد بن ابی وقاصؓ بھی طلب ہوئے۔ انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ اور کہا کہ جب تک سب لوگ بیعت نہ کر لیں گے میں نہیں کروں گا لیکن میری طرف سے کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرو۔ لوگوں نے ان کو مہلت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی کہا۔ ان سے کہا گیا کہ ضامن لاؤ۔ انھوں نے انکار کیا۔ اس پر اشتر نے غصہ میں کہا کہ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں حضرت علیؓ نے روکا اور کہا کہ یہ جہالت ہے؟ ان کا ضامن میں ہوں۔

رؤساء انصار میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ۔ کعب ابن مالکؓ۔ مسلمہ بن مخلدؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ محمد بن مسلمہؓ۔ نعمان بن بشیرؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ فضالہ بن عبیدؓ اور کعب بن عجرہؓ نے بیعت نہیں کی۔ دیگر مشاہیر میں سے حضرت عبداللہ بن شعبہؓ۔ عبداللہ بن سلامؓ اور قدامہ بن مظعونؓ بھی بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ کچھ لوگ اس خیال سے کہ انکو بیعت کرنی پڑیگی مدینہ سے شام کیطرف روانہ ہو گئے۔

ترجمہ علیؓ

حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ ہجرت سے ۲۱ سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے اور وہیں ان کی پرورش ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہجرت مدینہ کا حکم ملا اور رات کو گھر سے نکل کر چلنے لگے تو حضرت علی کو اپنے بستر پر سلایا اور حکم دیا کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں ان کو ادا کر کے مدینہ چلے آنا باوجودیکہ اس امر کے کہ دشمنان دین گھر کے چاروں طرف ننگی تلواریں لئے ہوئے کھڑے تھے لیکن حضرت علی بے خوف وخطر اس بستر پر آپ کی ردائے مبارک اوڑھکر سو رہے۔

ہجرت سے تقریباً پانچ مہینے کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلعم نے ان کا

نکاح حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ کر دیا اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال ۵ ماہ
اور حضرت فاطمہ کی اٹھارہ سال چھ ماہ کی تھی۔

سوائے جنگ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آنحضرت کے ہمرکاب
رہے اور بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا۔ سخت سے سخت لڑائی میں بھی ان
کے پائے ثبات کو لغزش نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط یہی لکھتے تھے
جب آنحضرت نے وفات پائی تو بوجہ قرابت قریبہ کے خلافت کے
یہ اپنے حق کو مرجح سمجھتے تھے لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر
کی خلافت پر لوگوں نے اتفاق کر لیا۔ اس لئے انھوں نے بھی بیعت کر
اس کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہو گئے ان کے عہد میں یہ مشیر خاص رہے ان
وفات پا جانے پر امید قوی تھی کہ ان کا انتخاب ہو جائے گا لیکن حضرت عثمانؓ خلیفہ
ہو گئے بالآخر ان کے قتل کے پانچ روز کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی

خطبۂ خلافت بیعت کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ
ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی تشریح
اور ان کو فتنہ سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی۔ نیز یہ بتلایا کہ ہم میں سے ہر
شخص کی ذمہ داری کیا ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ تقویٰ کی طرف توجہ
دلائی اور فرمایا کہ جو کچھ ہم دنیا میں کریں گے اسی کا نتیجہ آخرت میں دیکھیں گے

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ حدودِ شرعیہ کو قائم رکھے۔ لہذا جو لوگ خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے ان سے قصاص لینا چاہیئے۔ فرمایا کہ میں بھی اس بات کو جانتا ہوں لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہی لوگ ہمارے اوپر غالب ہو رہے ہیں اس لیئے جب تک ہم مغلوب ہیں کیونکر قصاص لے سکتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جو فعل کیا ہے وہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اطمینان اور سکون ہو جانے دو اس وقت کہنا۔ اس وقت مجھے مہلت دو۔

لوگ واپس چلے آئے لیکن مختلف قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے۔ بعض لوگوں نے اس جواب کو معقول سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان باغیوں کی حالت اگر یہی رہی تو ان کا زور دن بدن بڑھتا جائے گا اور پھر ہم کبھی ان سے قصاص لینے پر قادر نہ ہونگے۔

بنی اُمیہ بالعموم اور بعض دیگر صحابہ مدینہ سے نکل گئے تھے۔ اس لیئے جو لوگ باقی رہ گئے تھے حضرت علی نے ان کو مدینہ میں روک لیا۔ وہ لوگ اس سے بددل ہو گئے اور کہنے لگے کہ خلافت ان کے ہاتھ میں رہی تو یہ قریش پر سب سے زیادہ سختی کریں گے۔

پہلا کام خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد کے تمام والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا اور اُن

کے بجائے دوسرے لوگوں کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو مدبرین عرب میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے ان کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔ نیز ان کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہ وہ بھی عقلاء قریش میں سے تھے اس کا انجام سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن انہوں نے نہیں مانا۔

غالباً ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ امراء اس قابل نہیں رہیں کہ ایک دن بھی والی رکھے جائیں لیکن قانونی حیثیت سے اگر اتنا انتظار کیا جاتا کہ خود یہ امراء اور دیار و امصار کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس کے بعد بلا خوف و خطر جس کو چاہتے معزول کر دیتے اس لئے کہ خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہے والی بنائے اور جس کو چاہے برطرف کر دے اور بلا تکمیل بیعت یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اُمراء ان کی خلافت ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے اس لئے عجیب و غریب عجلت کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس انتظار میں کوئی شرعی مواخذہ بھی نہ تھا۔ بخلاف اس کے خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کو انہوں نے خود روا رکھا تھا حالانکہ وہ ایک شرعی حد ہے جس میں تساہل کرنے پر مواخذہ عقبیٰ کا خطرہ تھا۔

عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی امارت کا

فرمان دے کر روانہ کیا۔

سہل جس وقت تبوک میں پہنچے شامی سواروں کا ایک دستہ ان کے سامنے آیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آتے ہیں۔ انھوں نے کہا میں خلیفہ کی طرف سے شام کا امیر مقرر ہوا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر حضرت عثمان نے آپکو مقرر کیا ہے تو خوشی سے تشریف لائیے ورنہ واپس جائیے۔ مجبوراً سہل واپس چلے آئے۔

قیس بن سعد جب مصر میں پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ مخالف تھے۔ کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے اور کہنے لگے کہ جب تک خلیفہ ہمارے بھائیوں سے قصاص نہ لیں گے ہم ان کے طرفدار ہیں۔ بعض لوگ دونوں فریق کا ساتھ چھوڑ کر کہنے لگے کہ ہم دیکھتے ہیں اگر حضرت علی نے خلیفہ مقتول کا قصاص لیا تو خیر، ورنہ ہم ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔

والی بصرہ عبداللہ بن عامر حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عثمان بن حنیف کے پہنچنے پر مصر کی طرح وہاں بھی تین جماعتیں ہو گئیں۔

عمارہ سے کوفہ کے راستہ میں مقام زبالہ میں طلحہ بن خویلد اسدی سے ملے جو حضرت عثمان کے قتل کی خبر سن کر ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آ رہے تھے انھوں نے عمارہ سے کہا کہ یہیں سے پلٹ جاؤ ورنہ ہم تمہارا سر کاٹ لیں گے۔

یمن میں عبیداللہ بن عباس کے آنے کی خبر سن کر یعلیٰ بن منیہ خراج کی کل رقم جو وصول ہوئی تھی لے کر مکہ چلے آئے۔

شورش عام

تمام اسلامی صوبوں کے صدر مقامات میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ امیر معاویہ والی شام جو بنی امیہ کے رئیس اعظم تھے حضرت علی کی خلافت پر رضامند نہ ہوتے۔ کیونکہ وہ خلیفہ کے قتل کے حادثہ میں حضرت علی کو متہم سمجھتے تھے اور اس تہمت کو اس سے تقویت پہنچی۔ کہ حضرت علی نے ان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا بلکہ ان کو اپنے لشکر میں رکھا علاوہ بریں حضرت علی کی طرف سے ان کی معزولی کا فرمان صادر ہوا جس سے انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کی خلافت کا نتیجہ میرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

چونکہ ان کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج بھی تھی جس میں وہ بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور خود بہ نسبت کسی دوسرے شخص کے انہیں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی اسی لئے اُنہوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کر دیا۔

حضرت علی نے سبرہ جہنی کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا لیکن امیر معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عثمان کے قتل کے تیسرے مہینے اعلان مخالفت کے لئے بنی عبس کے ایک شخص کو ایک سادہ قرطاس دیا جس پر نیچے ان کی مہر لگی ہوئی تھی اور عنوان پر صرف یہ لکھا ہوا تھا۔

از معاویہ بہ علی (رضی اللہ عنہ)

اور اس سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ میں داخل ہونا تو اس کو نیچے سے پکڑ

کر ہاتھ میں لٹکائے رکھنا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔

یکم ربیع الاول ۳۶ھ کو عبسی مدینہ میں داخل ہوا لوگوں نے اس طومار کو دیکھا۔ پھر وہ حضرت علی کے پاس آیا اور اس کو ان کے حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ اس میں تو کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تم بتلاؤ کہ بات کیا ہے اس نے کہا کہ جامع دمشق کے منبر پر خلیفہ مقتول کے خون آلود پیراہن اور نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ رکھا ہے اور ساٹھ ہزار آدمی ان کا ماتم کر رہے ہیں وہ لوگ جب تک ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے کبھی راضی نہ ہوں گے۔

حضرت علی نے پوچھا کہ کس سے بدلہ لیں گے اس نے کہا کہ آپ سے۔ فرمایا کہ میں تو خود عثمان کی طرح مغلوب ہوں۔ اب حضرت عثمان کے قاتل بچ گئے ان سے قصاص ملنا مشکل ہے اس کے بعد آسمان کی طرف رخ کر کے کہا۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب عبسی فرستادہ واپس چلا تو سبائی فرقہ کے لوگوں نے قتل کرنے کے لئے اس کا پیچھا کیا اس نے مدینہ کے قبائل کو پکارا آخر لوگوں نے بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی۔

امام حسن نے حضرت علی سے عرض کیا کہ باہم مسلمانوں میں خونریزی نہیں ہونی چاہیئے لیکن مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا اور اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو علم عطا فرما کر خود فوج

اور سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔

اسی اثنا میں ایک دوسری خبر آئی جو اس سے بھی سخت تھی یعنی یہ کہ ام المومنین عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ گئے۔ اور وہاں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے اجتماع ہو رہا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ مدینہ سے حضرت عثمان کی محصوری کے زمانہ میں حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں وہیں ان کو اطلاع ملی کہ باغیوں نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کو خلیفہ کے قتل سے نہایت صدمہ ہوا۔ انھوں نے حرم میں مسلمانوں کے سامنے ایک مؤثر تقریر کی جس میں ثابت کیا کہ جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے اسلام کا ایک بہت بڑا اصول توڑ ڈالا ہے اور وہ لوگ باغی ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس فساد کی اصلاح کی کوشش کریں۔

مکہ میں اس وقت عبداللہ بن حضرمی عامل تھے بصرہ سے یعلیٰ بن منبہ بھی آ گئے ادھر مدینہ سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی پہنچ گئے۔ ان سب لوگوں نے باہم طے کیا کہ بصرہ میں چل کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے۔ مروان وغیرہ اکثر افراد بنی امیہ کے بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید میر قافلہ مقرر ہوئے۔ وہی نماز پڑھاتے تھے۔

جب بصرہ کے قریب پہنچے تو وہاں کے امیر عثمان بن حنیف نے جو حضرت علی کی طرف سے مقرر ہوئے تھے عمران بن حصین اور ابوالاسود دئلی کو اس قافلہ میں بھیجا کہ دریافت کریں کہ آنے کی غرض کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہم خلیفہ مقتول کا قصاص چاہتے ہیں۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی جواب دیا۔ ان دونوں نے کہا کیا تم لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ کہا بے شک! لیکن جبراً ہم سے بیعت لی گئی۔

عثمان بن حنیف نے یہ سن کر چاہا کہ اس قافلہ کو بصرہ میں آنے سے روکیں لیکن وہاں کے سب لوگ ہم خیال نہیں تھے۔ عثمان اپنی جماعت لے کر نکلے اور اس قافلہ کے بائیں پہلو پر مقام مربد میں ٹھہرے۔ بصرہ کی دوسری جماعت جو ام المومنین کی ہم آہنگ تھی دائیں طرف جا کر مجتمع ہوئی۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے خلیفہ مقتول کے قصاص کے مطالبہ کے لئے جوش دلایا۔ عثمان کے ساتھی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور لڑنے کے لئے بڑھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے جن کی آواز بلند اور رعب دار تھی مجمع کے سامنے تقریر شروع کی۔ ان کے بیان سے نہ صرف لڑائی رک گئی بلکہ مخالفین نصف سے زائد آ کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور کہنے لگے کہ ام المومنین نے جو کچھ فرمایا بالکل درست اور صحیح ہے۔

حکیم بن جبلہ جس کے یہاں عبداللہ بن سبا سب سے پہلے آکر ٹھہرا تھا

اس نے جنگ شروع کر دی۔ لوگوں نے اس کو منع کیا اور اس سے ہاتھ روکے رکھا لیکن جب وہ نہ مانا تو مدافعت کی۔ تھوڑی دیر میں رات کی تاریکی نے لڑائی کو ختم کر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عثمان اور حکیم دونوں نے جنگ شروع کی حضرت عائشہ کا منادی برابر ان کو آواز دیتا رہا کہ نہ لڑو۔ لیکن وہ دوپہر تک لڑتے رہے۔ آخر میں حکیم شکست کھائی تو صلح کی۔ قرارداد یہ ہوئی کہ مدینہ میں ایک معتبر آدمی بھیجا جائے جو وہاں کے لوگوں سے دریافت کر کے آئے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے جبراً بیعت [illegible] ہیں اگر واقعی جیسا کہ ان کا بیان ہے ان کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی ہے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ ورنہ آپ ہمارے ملک سے چلے جائیں۔

بصرہ کے قاضی کعب [illegible] مدینہ روانہ کئے گئے انھوں نے پہنچکر مسجد نبوی میں پکار کر کہا کہ [illegible] بصرہ نے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ حضرت طلحہ اور [illegible] سے کی بیعت جبراً لی گئی یا انھوں نے اپنی خوشی سے کی۔ [illegible] ہے جو اصلیت ہو مجھ کو بتا دی جائے سب لوگ سنکر خاموش رہے [illegible] حضرت اسامہ بن زید نے صاف کہدیا کہ دونوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے سہل بن حنیف اور ان کے چند ہمخیال حضرت اسامہ پر حملہ کر بیٹھے۔ اگر حضرت صہیب، ابوایوب انصاری اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم

نے پہچان لیا ہوتا تو یقیناً وہ لوگ ان کو مار ڈالتے۔ حضرت صہیب اسامہ کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ جس طرح ہم سب لوگ خاموش رہے اگر اسی طرح تم بھی چپ رہ جاتے تو کیا حرج تھا۔

حضرت علی کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے عثمان بن حنیف کو خط لکھا کہ تم تساہل کر رہے ہو اگر ان سے جبراً بیعت لی گئی تو کیا ہوا۔ کیونکہ وہ اتحاد پر مجبور کئے گئے نہ کہ افتراق پر۔

کعب بن سور اور یہ خط دونوں ایک ساتھ بصرہ میں پہنچے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے عثمان سے کہا کہ کعب نے [illegible] کی تصدیق کر دی اس لئے قرارداد کے مطابق تم ہمارے سا[illegible] ہو جاؤ۔ لیکن انھوں نے خلیفہ کے حکم کی بنیاد پر انکار کر دیا۔ آخر ا[illegible]ن کی حمایت گرفتار کئے گئے۔ حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو [illegible] ہیں چلے جائیں۔ وہ رہا ہو کر مدینہ میں حضرت علی کے پاس آ گئے۔ [illegible] جبلہ اور اس کے بہت سے ساتھی جو حضرت عثمان کے خون [illegible] تھے مارے گئے۔

اس کے بعد اعلان عام کر دیا گیا کہ جس جس [illegible] ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمان کے قتل میں شرکت رکھتے تھے پکڑ لائے جائیں چنانچہ اس قسم کے بہت سے لوگ لائے گئے ان میں سے جس جس کا جرم پایہ

بصرہ سے کوفہ اور شام میں بھی خطوط بھیجے گئے کہ وہ لوگ بھی خلیفۂ مظلوم کے قصاص کے مطالبہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔

واقعۂ جمل حضرت علی شام پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے لیکن جب بصرہ کے اجتماع کی خبر معلوم ہوئی تو پہلے اسی طرف رُخ کرنا مناسب سمجھا۔ مدینہ سے ایک انبوہ ان کے ساتھ چلا۔ مقام ربذہ میں پہنچکر چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا کہ وہاں سے لوگوں کو مدد کے لئے لائیں جب وہ کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے رؤساء والیٔ کوفہ ابو موسیٰ اشعری کے پاس جمع ہوئے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ چاہا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بالکل الگ رہنا چاہیئے اس میں جو سویا ہے وہ بیٹھے سے اور جو بیٹھا ہو وہ چلنے والے سے بہتر ہے حضرت علی کے فرستادوں نے اپنی تقریروں میں ابو موسیٰ کی سخت مخالفت کی اور ان کو سخت و سست بھی کہا۔ سب کے بعد امام حسن نے لوگوں کو مخاطب کیا اور ان کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر کہا کہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور جو مصیبت اس وقت نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے میں ان کی امداد کرو۔ ان کے سمجھانے سے لوگ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور کم و بیش نو ہزار آدمی دریا اور خشکی کی راہ سے گئے۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو ام المومنین

کی خدمت میں بھیجا انھوں نے آکر دریافت کیا کہ آپ کا کیا مقصد ہے؟
ام المومنین نے فرمایا کہ اصلاح۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی کہا۔ قعقاع
نے پوچھا کہ اصلاح سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ خلیفہ مقتول کا قصاص کیونکہ
قصاص نہ لینا قرآن کو پس پشت ڈالنا ہے۔ قعقاع نے کہا

تم نے بصرہ کے باغیوں سے خود قصاص لینا شروع کیا۔ اگر اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو تمہارا دعویٰ زیادہ قوی ہوتا۔ تم نے یہاں کے ایک کم چھ سو آدمیوں کو جو حضرت عثمان کے خون میں شرکت رکھتے تھے قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ جب اس ایک حرقوص بن زبیر کو بھی تم نے پکڑنا چاہا تو وہی چھ ہزار اس کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور آخر وہ گرفتار نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس سے قصاص لینا تم نے ترک کر دیا۔ یہ قرآن کا پس پشت ڈالنا نہیں ہے جس بات کو خود چھوڑ دیا ہے اسی کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہو۔ میرے خیال میں اس فتنہ کا علاج صرف یہ ہے کہ سکون پیدا کیا جائے اس کے بعد ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے اگر تم بیعت کر لوگے تو امت کی بہتری کے لئے وہ ایک فال نیک ہوگی اور خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص بھی مل جائے گا ورنہ باہمی خونریزی کی شکل

میں وہ لوگ بچ جائیں گے اور امت مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جائے گی۔ میں اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری امت کا ہے۔ اس میں غور فکر سے کام لیجئے اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں نہ آپ اور نہ یہ امت۔ جو اس وقت حوادث کے تیروں کا نشانہ ہوئی ہے۔

قعقاع کی تقریر سب لوگوں نے پسند کی اور کہا کہ تمہاری باتیں نہایت مناسب اور درست ہیں۔ اگر حضرت علی کا بھی خیال ہے جو تم نے ظاہر کیا تو مصالحت بہت آسان ہے۔

قعقاع نے واپس جا کر تمام ماجرا حضرت علی کو سنایا۔ وہ خوش ہوئے دوسرے دن صبح کو بصرہ کی طرف چلے اور حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں جو لوگ اس قسم کے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں کسی قسم کی اعانت کی ہے یہیں رہ جائیں اور ساتھ نہ چلیں۔ یہ سنکر عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ ساتھ ساتھ لگے رہو اور جب دونوں فریق ملیں تو فوراً جنگ شروع کر دو۔ مصالحت کا موقع کسی طرح پیدا نہ ہونے دو۔

حضرت علی بصرہ کے متصل فروکش ہوئے۔ دونوں طرف سے سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی اور صلح کی باتیں طے ہو گئیں۔ رات کو لوگ اطمینان

کے ساتھ سوئے ان کو یقین تھا کہ صلح میں اب کسی قسم کا شبہ نہیں۔ لیکن طلوع صبح سے پیشتر ہی سبائی فرقہ نے بصرہ کی جمعیت پر ایک جانب سے حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے معلوم ہوا کہ کوفیوں نے جنگ شروع کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا پہلے ہی سے گمان تھا کہ حضرت علی بلا خونریزی کئے ہوئے نہیں مانیں گے

ادھر حضرت علی نے بھی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی شورش ہے۔ سبائیوں نے جو اُن کے ساتھ لگے رہتے تھے فوراً جواب دیا کہ اہل بصرہ نے رات کو ہمارے اوپر چڑھائی کی ہم نے ان کو پیچھے دھکیلا۔ وہاں سواروں نے حملہ کر دیا۔ پھر ادھر سے بھی لوگ پہنچ گئے۔ حضرت علی یہ سنکر کہنے لگے کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ طلحہ اور زبیر بلا جنگ کئے ہوئے نہیں رہیں گے

اب فریقین میں جنگ عام شروع ہوئی۔ ادھر سے حضرت علی سوار ہو کر نکلے اور ادھر سے حضرت عائشہ اونٹ پر ہودج میں بیٹھ کر میدان میں نمودار ہوئیں۔

یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں باہمی خونریزی کے لئے تلواریں کھینچکر آمنے سامنے آ گئیں۔

نہایت سخت جنگ ہوئی۔ بصرہ کے اکثر رؤسا ام المومنین کے اُونٹ کے اردگرد محافظت کے خیال سے آکر جمع ہو گئے۔ وہاں کشتوں کے پشتے

لگ گئے۔ خود ہودج میں اس قدر تیر آکر لگے تھے کہ دُور سے وہ کانٹوں کا ایک گچھا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ اس طرح لڑائی کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا تو حکم دیا کہ اونٹ کا پاؤں کاٹ دیا جائے جب وہ گر پڑا تو اہل بصرہ شکست کھا گئے۔ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر نے آکر ہودج کی رسیاں کاٹیں اور اس کو اُٹھا کر لشکر سے الگ لے جا کر رکھا اس کے بعد حضرت عائشہ کو بصرہ میں لے گئے۔

اس جنگ میں طرفین سے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے جن میں حضرت طلحہ اور ان کے بیٹے محمد اور عبدالرحمٰن بن عتاب وغیرہ نامورانِ قریش شامل تھے۔ حضرت زبیر مدینہ کی طرف چل نکلے۔ عمرو بن جرموز نے جو اُن کے پیچھے لگا تھا وادی سباع میں پہنچ کر ان کو تیر سے ہلاک کر ڈالا۔ مقتولین کو دفن کرانے کے بعد حضرت علی نے بصرہ میں قیام کیا اس کے بعد ام المومنین کی خدمت میں گئے۔ ان سے گفتگو کی اور ان کی مدینہ کی روانگی کا سامان کیا۔ جس دن وہ روانہ ہوئیں خود بصرہ سے ان کے ساتھ نکلے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا:۔

مجھ میں اور علی میں بجز ان شکوؤں کے جو باہم رشتہ داروں میں ہوا کرتے ہیں اور کسی قسم کی عداوت یا دشمنی نہیں تھی اور میں

باوجود ناراضگی کے ان کو بہترین لوگوں میں سمجھتی ہوں۔

حضرت علی نے کہا کہ۔

ام المومنین نے بالکل سچ فرمایا۔ مجھ میں اور ان میں سابقہ کوئی رنجش نہیں تھی۔ ان کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح دنیا میں بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں بھی ہوں گی۔

بصرہ سے ان کی روانگی یکم رجب سنہ ۳۶ھ کو ہوئی۔ کئی میل تک خود حضرت علیؓ ساتھ تھے۔ امام حسنؓ اور حسینؓ ایک منزل تک آئے اور محمد بن ابی بکر مدینہ تک ساتھ رہے۔

جب سکون ہو گیا تو حضرت علی نے اہل بصرہ سے بیعت لی وہاں کی امارت کے عہدے پر عبداللہ بن عباس اور خراج کی تحصیل پر زیاد بن ابی سفیان کو مقرر فرمایا۔

یہ جنگ جس نے آئندہ کے لیے مسلمانوں میں باہمی خونریزی کا دروازہ کھول دیا اس کی ذمہ داری سے فریقین میں سے کوئی بھی بہمہ وجوہ بری نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عائشہ۔ طلحہ۔ زبیر رضی اللہ عنہم خلیفۂ مقتول کے خون کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قصاص لینے کا حق صرف امام کو حاصل ہے۔ اگر اس الزام پر کہ امام کسی شرعی حد میں کوتاہی کرتا ہے دوسرے رؤسائے امت اس حق کو اپنے ہاتھ میں لینے لگیں تو اسلامی نظام کی بنیاد ہی

مٹ جائے گی۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ کس اختیار سے انھوں نے اہل بصرہ سے خود قصاص لینا شروع کر دیا۔

علاوہ بریں ایک طرف تو وہ حضرت علی کی امامت کو تسلیم ہی نہیں کرتے دوسری طرف خود انھیں سے مطالبہ کرتے تھے کہ قصاص لیں حالانکہ ایسی صورت میں ان کا مطالبہ صرف یہ ہونا چاہیئے کہ ارباب حل و عقد پہلے امامت کا فیصلہ کر دیں۔ اقامتِ حد کا سوال اس کے بعد کا تھا۔

ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بھی اتنے صبر و تامل سے کام نہیں لیا کہ اس رخنہ کو بہتر طریقہ سے بلا خونریزی کے بند کرتے۔ مدبر کی صفت یہ ہے کہ مشکلات کو حسن تدبیر سے حل کرے اور تلوار صرف اس وقت اٹھائے جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان سبائی شیاطین نے جو مصالحت کے دشمن تھے اپنی عیاری سے امت کو جنگ میں پھنسا دیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف سے امت قصاص کا مطالبہ کر رہی ہو ایسے لوگوں کو اپنی فوج میں رکھنا جن کو باہمی مصالحت سے اپنا نقصان نظر آتا ہو مصلحت کے خلاف تھا کیونکہ وہ بالطبع ہر قسم کے اتفاق اور آشتی میں رخنہ انداز ہوں گے۔

نیز یہ امر بھی اصول لشکر کشی کے مطابق سپہ سالار کے لئے ایک لازم ہے

کہ اس کی فوج کی کوئی جماعت اس کی نیت کے خلاف اس کو جنگ پر مجبور کر دے۔

جنگ صفین:۔ جمل کی لڑائی در اصل دیباچہ تھی ایک اس سے بھی دردناک جنگ کا جو صفین کے میدان میں ہونے والی تھی۔

حضرت علیؓ نے بصرہ سے کوفہ میں آکر جریر بن عبداللہ بجلی کو امیر معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے دمشق پہنچکر اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

شام کے سرداروں اور سپاہیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک خلیفہ مقتول کا قصاص نہ لے لیں گے اس وقت نہ فرش پر سوئیں گے نہ اپنی بیویوں سے ملیں گے اور شام اسلامی فوج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے وہاں کی فوج جنگ میں مشاق اور سازو سامان سے آراستہ تھی اور امیر معاویہ جو اسلامی امراء میں سب سے بڑے سیاسی مدبر تھے ایک مدت سے ان کے اوپر حکومت کرتے چلے آتے تھے اور ان کے دلوں پر پورا قابو حاصل کئے ہوئے تھے۔

اس عظیم الشان طاقت کی وجہ سے انھوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کیا اور ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ خود خلیفہ مظلوم کے قتل میں شریک یا یہ کہ کم از کم ان کے قاتلوں کے حامی ہیں۔

جریر بن عبداللہ نے واپس آکر حضرت علی کو شام کی کیفیت سنائی۔ اب ان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لشکر کشی کریں اس لئے فوج لے کر نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ امیر معاویہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی شامی فوجوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت علی جزیرہ کے راستہ سے رقہ پہنچے وہاں دریائے فرات کو عبور کیا جب آگے بڑھے تو شامی فوجیں آگئیں۔ دونوں لشکروں کے طلایوں میں ایک خفیف سی جنگ ہو کر رک گئی۔ اس کے بعد فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔

حضرت علی نے بشیر بن عمرو انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ ان کے خیمے میں پہنچے تو بشیر نے کہا۔

اسے معاویہ! دنیا فانی ہے۔ تم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہاں اپنے عمل کا حساب دینا ہے۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ امت میں تفریق نہ ڈالو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم نے یہ وعظ حضرت علی کو کیوں نہیں سنایا انھوں نے کہا کہ وہ سابقین اولین میں سے ہیں اور اپنے فضائل اور آنحضرت کے ساتھ قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے کل مسلمانوں سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں آپ

بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔ تاکہ امت کا شیرازہ نہ ٹوٹے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ خلیفہ مظلوم کا خون کہاں جائے گا۔ کیا ہم اس کو بلا قصاص کے چھوڑ دیں اس پر شبث بن ربعی کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

تم نے جو کچھ کہا اس سے تمہارا مطلب سمجھ گئے۔ جس غرض کے لئے تم لڑنا چاہتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تم نے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ دعوی اٹھایا ہے کہ خلیفہ کا قتل ناجائز تھا۔ اس لئے ان کے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ ہم کو خوب معلوم ہے کہ تم خود چاہتے تھے کہ وہ مارے جائیں تاکہ تم کو خلافت حاصل کرنے کا موقع مل سکے اور یہی وجہ تھی کہ تم نے قصداً ان کی امداد میں دیر لگائی۔ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ ہر شخص اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ اگر تم ناکام رہے تو تم سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں ہوسکتا اور اگر کامیاب بھی ہو گئے تو مسلمانوں کی خونریزی کی بدولت جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتے۔ لہذا دونوں صورتیں تمہارے حق میں بری ہیں اس لئے اللہ کا خوف کر کے اس تفریق سے باز رہو اور جو شخص امامت کا مستحق ہے اس کی مخالفت نہ کرو۔

اس سخت گفتگو کا جواب امیر معاویہ کی طرف سے بھی سخت دیا گیا اور یہ

سفارت ناکام واپس آئی۔

لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا دل آپس میں لڑتے ہوئے دُکھتا تھا نیز وہ ڈرتے تھے کہ باہمی خونریزی سے اسلامی قوت فنا ہو جائے گی اس لئے فریقین میں سے ایک ایک دستہ نکل کر کبھی کبھی جنگ آزمائی کر لیتا تھا۔ اسی طرح ذی حجہ کا سارا مہینہ گزر گیا۔ جب محرم ۳۷ھ شروع ہوا تو ایک ماہ کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی۔ امید تھی کہ اس درمیان میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائیگی۔

حضرت علی نے عدی بن حاتم طائی۔ یزید بن قیس، زیاد بن خصفہ اور شبث بن ربعی کو جو پہلی بار بھی گئے تھے اور جن کی سخت کلامی سے بے نیل مرام واپس آنا پڑا تھا۔ امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ پہلے عدی نے تقریر کی۔

ہم تمہارے پاس ایک درخواست لیکر آئے ہیں اگر تم اُسے منظور کر لوگے تو امت میں اتحاد و اتفاق قائم ہو جائے گا۔ اور باہمی خونریزی نہ ہوگی وہ یہ ہے کہ حضرت علی کو اُنکے فضائل کی وجہ سے تمام امت نے با اتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ صرف ایک تم اور تمہارے ساتھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے بیعت نہیں کی ہے۔ لہذا تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ۔ اور تفرقہ سے باز رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو جو جمل والوں کا ہوا۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم مصالحت کے لئے آئے ہو یا دھمکانے کے لئے ؟ میں حرب کا بیٹا ہوں، جنگ سے نہیں ڈرتا۔ عدی! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم بھی عثمان کے قاتلوں کے ساتھ شریک تھے انشاءاللہ انہیں ظالموں کے ساتھ قتل بھی کئے جاؤ گے۔

یزید بن قیس نے کہا کہ :۔

ہم صرف اس لئے آئے ہیں کہ وہاں کا پیغام یہاں پہنچا دیں۔ اور جو جواب ملے اس کو جاکر سنا دیں۔ لیکن اس ضمن میں آپ کے فائدے کی جو باتیں ہیں خیر طلبی کے خیال سے ان کو بھی خدمت میں عرض کر دیں۔

حضرت علی جس درجہ اور رتبہ کے آدمی ہیں آپ جانتے ہیں۔ امت اسلامیہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو خلافت کے لئے قبول نہیں کر سکتی۔ ہم نے ایسا متقی، دنیا سے بے تعلق اور اخلاق حسنہ کا جامع کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا اس لئے ان کی مخالفت آپ کو نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ جماعت کی تفریق کی ذمہ داری آپ پر رہے گی۔

امیر معاویہ نے کہا کہ :۔

جس کو تم جماعت کہتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے علی (رضی اللہ عنہ)

کی اطاعت کو ہم جائز نہیں سمجھتے انھوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا۔ امت میں تفریق ڈالی۔ قاتلوں کو اپنے پاس پناہ دی۔

اگر تم یہ کہو کہ اُنھوں نے خلیفہ کو نہیں قتل کیا تو ہم اس کی تردید نہیں کریں گے بشرطیکہ وہ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں گے ہم ان سے قصاص لیکر پھر تمہاری بات مانیں گے۔

شبث بن ربعی نے کہا کہ :۔

معاویہ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم عمار بن یاسر کو تمہارے حوالہ کر دیں اور تم ان کو قتل کر دو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ بے شک! میں تو ان کو حضرت عثمان کے غلام نائل کے قصاص میں بھی قتل کر دوں گا۔ حدودِ شرعیہ میں کیا رعایت۔ شبث نے جواب دیا کہ یہ تو اس وقت تک ممکن ہے کہ جب تک ہزاروں آدمیوں کے سر ان کے کندھوں پر سے نہ اُڑ جائیں اور سطح زمین باوجود اس وسعت کے تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو سطح زمین بہ نسبت میرے تمہارے لئے زیادہ تنگ ہو جائے گی۔ پہلی سفارت کی طرح اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا بلکہ فریقین کے دلوں میں اور نفرت بڑھ گئی۔

امیر معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ۔ شرجیل بن سمط۔ معن بن یزید

اور اخنس بن شریق حضرت علی کے پاس گئے۔ جبیب نے کہا کہ :۔

عثمان بن عفان خلیفہ برحق تھے اور کتاب و سنت پر عمل کرتے تھے آپ لوگوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ اگر آپ ان کے قتل میں شریک نہیں تھے تو ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ ہم ان سے قصاص لیں اور آپ خلافت چھوڑ دیں۔ امت مشورہ عام سے جس کو چاہے گی خلیفہ منتخب کرے گی۔

حضرت علی نے بگڑ کر کہا کہ چُپ رہو۔ تم کو یہ کہنے کا کہاں سے حق حاصل ہے کہ خلافت چھوڑ دو۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔

جبیب نے کہا کہ پھر میں ہوں اور میدان۔ حضرت علی نے کہا کہ تم اور تمہارا سارا لشکر جاؤ۔ جو کچھ ہو سکے میرے مقابلہ کے لئے کرو۔

شرجبیل نے کہا کہ میں بھی اگر کہوں گا تو وہی کہوں گا جو جبیب نے کہا کیا اس کے سوا کوئی دوسرا جواب آپ دیں گے؟

حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں! پھر ایک طویل تقریر کی اور اللہ و رسول کے ذکر کے بعد خلافت کا بیان شروع کیا اور کہا کہ :۔

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ پھر انھوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو ولی عہد کر دیا۔ یہ دونوں عادل اور نیک سیرت تھے۔ ہم کو ان

صرف یہ شکایت تھی کہ ہم رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار تھے ہمارے ہوتے ہوئے خلافت ان کا منصب نہ تھا۔ مگر ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہم خاموش رہے اور اس شکایت سے در گزرے۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو ان سے چند امور ایسے سرزد ہوئے جن کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ناراضی یہاں تک بڑھی کہ ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی۔ میں نے انکار کیا۔ مگر لوگوں نے اصرار کیا اور کہا کہ امت تمہارے سوا دوسرے شخص کو منظور نہیں کر سکتی اور اگر تم بیعت نہیں لوگے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ ناچار میں اس کے لئے تیار ہو گیا۔ پہلے وہ دونوں شخص (حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ) باوجود بیعت کر لینے کے میرے مقابلہ میں آئے اور اب معاویہ مخالفت پر آمادہ ہیں جو سابقین تو کجا مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں نہ اسلام کی خدمت میں ان کا کوئی کارنامہ ہے بلکہ وہ اور ان کے باپ برابر اللہ و رسول کی دشمنی کرتے رہے اور فتح مکہ کے دن مجبوراً اسلام میں داخل ہو گئے۔

ان سے اس مخالفت کو میں بعید نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھ کو حیرت

اس بات پر ہے کہ تم لوگ کیوں ان کا ساتھ دے رہے ہو۔ اپنے نبی کے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑتے ہو۔ اور ان کی اطاعت سے منہ موڑتے ہو۔ میں تم کو کتاب اور سنت کی طرف بُلاتا ہوں اور بس ہمارا کام یہ ہے کہ باطل کو مٹائیں اور حق کا ساتھ دیں۔

شرجیل نے کہا کہ حضرت عثمان کا قتل ظلم تھا۔ جو شخص ان کے قاتلوں سے قصاص نہ لے بلکہ ان کو پناہ دے، ہم اس سے بری ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ اٹھ کر چلے آئے۔ اور یہ سفارت بھی بے نتیجہ رہی۔

ماہ محرم کے گزر جانے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ مخالفین کو ہم نے ہر طرح پر سمجھایا اور حق کی طرف بُلایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے۔ اسی لئے اب سوائے جنگ کے کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

رات بھر دونوں فریق صبح کی جنگ کے لئے تیاری کرتے رہے۔ یکم صفر ۳۷ھ کو لڑائی شروع ہوئی۔ لیکن روزانہ ایک دو دستے ادھر ادھر سے نکل کر خفیف مقابلہ کر کے واپس چلے آتے تھے۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ آٹھویں روز حضرت علی نے عام حملہ کا حکم دیا۔ فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان جنگ میں آ گئے اور ہولناک جنگ شروع ہوئی یہی وہ

نامبارک تاریخ تھی جس میں اسلامی الفت اور اخوت کا شیرازہ ٹوٹ گیا اور امت کی طاقت اور شوکت کو صدمہ پہنچا۔

دن بھر معرکہ کارزار گرم رہا۔ شام کو عراقی اور شامی دونوں فریق غیر مغلوب واپس آ گئے۔ دوسرے دن پھر جنگ ہوئی۔ شامیوں کے پیاپے حملوں سے عراقیوں کے میمنہ نے شکست کھائی۔ حضرت علی نے میسرہ کو اپنا قرار گاہ بنایا وہاں سے بھی اہل مصر تاب نہ لا کر بھاگے۔ حضرت علی نے اشتر سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ موت سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ اشتر کے جوش دلانے سے مصری پھر پلٹے اور ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ عصر کے وقت قلب تک بڑھ گئے۔ اشتر تو بالکل امیر معاویہ کے محافظوں تک پہنچ گئے۔ امیر معاویہ نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ سوچ کر رک گئے۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ اس میں عمار بن یاسر مقتول ہوئے۔ شام کو بھی لڑائی بند نہ ہوئی بلکہ قادسیہ کی طرح رات بھر دونوں فریق مصروف پیکار رہے۔ صبح کے وقت اشتر نے شامیوں کے میمنہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی سلسلہ وار ان کی مدد کے لئے دستے پر دستے بھیجتے تھے اور وہ شامیوں کو دباتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک نیزوں پر قرآن اٹھا کر اہل شام پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے۔ اہل عراق اگر فنا ہو گئے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔

وہ شامی ست گئے تو مغربی حملوں کی مدافعت کے لئے کہاں سے لوگ آئیں گے۔

عراقیوں نے قرآن دیکھ کر ہاتھ روک لیا اور کہا کہ ہم کو کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حق پر ہو۔ اپنا ہاتھ نہ روکو۔ فتح میں اب دیر نہیں ہے۔ معاویہ، عمرو بن عاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، ابی ابن سرح اور ضحاک بن قیس ان سب کو میں بچپن سے جانتا ہوں لڑکوں میں یہ سب سے بُرے لڑکے تھے اور جوانوں میں بدترین جوان۔ انھوں نے یہ قرآن اس نیت سے ہرگز نہیں اٹھائے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ یہ ان کی ایک چال ہے جس سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں کہ تم لڑائی سے باز رہو۔

اہل عراق بولے کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور ہم انکار کر دیں۔ مسعر بن فدکی اور اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ کتاب اللہ کے فیصلے کو منظور کیجئے ورنہ ہم ساتھ چھوڑ دیں گے۔

اشتر ابھی تک شامیوں کو دھکیلتے آگے بڑھے چلے جاتے تھے لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ ان کو واپسی کا حکم دیجئے۔ انھوں نے کہلا بھیجا۔ لیکن اشتر نے جواب دیا کہ یہ واپسی کا وقت نہیں ہے۔ فتح قریب آگئی ہے عراقیوں نے حضرت علی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درپردہ لڑائی کا حکم دے رکھا ہے اگر واپس نہیں بلاتے تو آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرینگے

جو ہم نے عثمان کے ساتھ کیا۔ حضرت علی نے پھر اشتر کے پاس حکم بھیجا کہ جلد آجاؤ ادھر فتنہ برپا ہو گیا۔ مجبوراً اُن کو میدان چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔

جب لڑائی بند ہو گئی تو حضرت علی نے اشعث بن قیس کو بھیجا کہ معاویہ کا مقصد دریافت کریں۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک پنچ تمہاری طرف سے اور ایک پنچ ہماری طرف سے مقرر ہو وہ دونوں کتاب اللہ کی رُو سے ہماری اور تمہاری نزاع کا فیصلہ کر دیں اور ہر فریق ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائے۔ اشعث نے کہا بہت معقول تجویز ہے وہاں سے واپس آکر حضرت علی کو اس کی اطلاع دی۔ عراقیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ یہ صورت نہایت مناسب ہے۔

اشعث وغیرہ رؤساء عراق نے اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری امیر کوفہ کو پنچ منتخب کیا۔ حضرت علی کو معلوم تھا کہ وہ ان کے موافق نہیں ہیں۔ وہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہتے تھے اس لئے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ تم لوگوں نے پہلے میری خلاف ورزی کی اور جنگ کو بند کر دیا مگر اب بس مخالفت نہ کرو لیکن عراقیوں نے عبداللہ بن عباس کو پسند نہ کیا اور کہا کہ وہ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔

اہل شام کی جانب سے عمرو بن عاص مقرر ہوئے۔

ثالثی نامہ دونوں ثالثوں نے فریقین سے عہد لکھوایا کہ جو فیصلہ ہم

کتاب اللہ کی رو سے کریں گے وہ اس کو مانیں گے اور جو نہ ملنے گا اس کے مقابلہ میں ہماری مدد کریں گے۔ تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ پنچوں سے یہ پیمان لیا گیا کہ نیک نیتی سے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ کو طے کریں گے اور امت میں باہمی جنگ اور تفرق نہ پیدا ہونے دیں گے۔ فیصلہ کی میعاد رمضان کے مہینے میں رکھی گئی اور پنچوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر مزید مدت کی ضرورت سمجھیں تو اور بھی تاخیر کر سکتے ہیں۔ ان کو جس شخص کی شہادت کی ضرورت ہوگی وہ ان کے طلب کرنے پر بلا دیا جائیگا اور شہادتیں قلمبند کیجائینگی جو متفقہ فیصلہ ہوگا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہوگا یہ فیصلہ کا مقام شام اور عراق کے وسط میں رہے۔ اگر پنچ یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو صرف خاص خاص اشخاص کو اس موقع کے لیئے طلب کرلیں اگر قضائے الٰہی سے کوئی پنچ قبل از فیصلہ گزر جائے تو اس کے بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا۔ یہ عہد نامہ ۱۳؍ صفر ۳۷ھ میں لکھا گیا اور اس پر فریقین کے نام ثبت کیئے گئے۔

اس طرح پر اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں نوے ہزار جانباز مسلمان مقتول ہو گئے۔ یہ وہ تعداد ہے کہ عہد نبوی سے لیکر اس واقعہ تک جس قدر فتوحات ہوئی تھیں ان سب میں ملا کر بھی اتنے مسلمان کام نہ آئے تھے

حضرت علی اور امیر معاویہ کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے خیالات میں بے حد تباین تھا حضرت علی ذاتی فضیلت سابقہ اسلامی و قرابت رسول کی وجہ سے اپنی حق خلافت کو اس قدر مرجح سمجھتے تھے کہ شیخین نے ان کے خیال میں دیدہ و دانستہ اس کو نظر انداز کیا تھا اور معاویہ کو تو وہ طلیق بن طلیق سمجھتے تھے جنہوں نے ہمیشہ رسول اللہ کی دشمنی کی اور فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے مطالبہ کی وجہ سے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

ادھر معاویہؓ اپنے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے رئیس ابوسفیان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قریش کا ایک بڑا رکن سمجھتے تھے۔ خلفاء سابقین کے عہد میں وہ معتمد علیہ تھے اور عزت و شوکت کے ساتھ اس صوبے کے والی تھے جو رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے اسلامی ممالک میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت میرے لئے موجب اہانت ہو گی۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو انھوں نے کیا وہ میری معزولی تھی اس لئے مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور ان کو ایسے چند شبہات بھی نظر آئے جن سے اس مخالفت کی گنجائش مل گئی۔ انھوں نے کہا۔

(۱) حضرت علی ان باغیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں جنہوں نے حضرت

عثمان کو قتل کیا۔

(۲) اکثر صحابہ کبار نے جو مدینہ میں موجود تھے ان کی بیعت سے انکار کیا۔

(۳) وہ امراء رؤساء امت داعیان قریش جو مدینہ سے باہر تھے اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے نہ ان سے مشورہ لیا گیا۔

(۴) انھوں نے خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کو جو باغی ہیں اور جن سے قصاص لینا فرض ہے اپنے لشکر میں پناہ دی ہے اور عہدے سپرد کیے ہیں۔

ایسے دو شخص جو ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں کیونکر باہم صلح کر سکتے تھے۔

علاوہ بریں دونوں طرف سے جو سفیر آئے گئے انھوں نے بھی عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا۔ کسی نے کوئی ایسا طریقہ نہیں سوچا جس پر دونوں فریق متفق ہو جاتے اور امت کے سر سے یہ وبال ٹل جاتا۔

ان سب پر مزید یہ کہ عراقی فوج میں سبائی جماعت موجود تھی جو کسی طرح پر باہمی مصالحت کو پسند نہیں کرتی تھی بلکہ ایسی صورتیں نکالتی تھی جن سے جنگ کی آگ مشتعل ہو جائے۔

خوارج عہد نامہ ثالثی کے لکھے جانے کے بعد امیر معاویہ اپنی فوج لیکر دمشق کو روانہ ہو گئے۔ ادھر عراقیوں میں جس وقت اشعث بن قیس اس عہد نامہ کو سنانے کے لئے نکلے تو بنی تمیم کے ایک سردار عروہ

بن ادیہ نے کہا کہ قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا ہم سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں مانیں گے اور پھر تلوار کھینچکر اشعث پر وار کیا۔ ان کے گھوڑے پر ضرب آئی۔ یہ دیکھ کر ان کے اہل قبیلہ بھی آکر جمع ہو گئے۔ قریب تھا کہ باہم کشت وخون ہو جاتے لیکن لوگوں نے بیچ میں پڑ کر بچا دیا۔ جب فوج وہاں سے روانہ ہوئی تو راستہ میں بھی ان میں جھگڑے جاری رہے۔

اہل عراق جس وقت کوفہ سے نکلے تھے سب متحد اور متفق تھے لیکن جب صفین سے واپس آئے تو باہم دشمن اور مخالف تھے۔ ہر ہر منزل میں ان میں لڑائی اور بدزبانی ہوتی تھی اور کبھی کوڑوں سے مار پیٹ بھی ہو جاتی تھی۔

خوارج کہتے تھے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مداہنت کی۔ شیعہ جواب دیتے تھے کہ تم نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب کوفہ کے قریب آئے تو بارہ ہزار آدمی فوج سے الگ ہو کر مقام حروراء میں جا کر خیمہ زن ہوئے اور اعلان کیا کہ ہمارا امیر شبث بن ربعی ہے۔

یہ وہی شخص ہے جو حضرت علیؓ کی طرف سے سفیر بن کر امیر معاویہ کے پاس گیا تھا اور ان سے سختی کے ساتھ پیش آیا تھا کہ کیوں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عباس ان کی فہمائش کے لئے بھیجے گئے۔ ان لوگوں

نے ان کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ پھر حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری جماعت سے خارج ہو گئے۔

خوارج: اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم میں انسانوں کو ثالث بنایا۔

حضرت علیؓ: کیا میں نے تم کو پہلے اس ثالثی کے قبول کرنے سے منع نہیں کیا تھا تم لوگوں نے تو خود اصرار کر کے مجھے اس پر مجبور کیا۔ علاوہ بریں پنچوں سے یہ شرط کی گئی ہے کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے لہٰذا قرآن کے حکم پر چلنے میں کیا قباحت ہے۔

خوارج: مسلمانوں کے خون کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانا کہاں سے روا ہے؟

حضرت علیؓ: ہم نے اشخاص کو کب حکم مانا ہے۔ ہمارا فیصلہ تو قرآن پر ہے۔ اشخاص اسی کی رو سے حکم دیں گے۔

خوارج: پھر اس فیصلہ کے لئے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت علیؓ: تاکہ اتنے عرصہ میں امت اس سے واقف ہو جائے لوگوں کو غور و فکر کا موقع مل سکے اور صحیح راستہ پر آ جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ بیجا نہیں ہوا ہے۔ تم لوگ ہمارے ساتھ شہر میں چلو اپنے اپنے گھروں میں قیام کرو۔

خوارج: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا ثالثی قبول کرنا کفر تھا ہم اس کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی اگر تائب ہو جائیں تو ہم ساتھ چلنے کے

لئے تیار ہیں۔

حضرت علیؓ: صرف چھ مہینے کی بات ہے۔ شہر میں چلو۔ اس درمیان میں خراج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور سواریاں فربہ اور توانا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے۔

الغرض بڑی مشکلوں سے ان کو کوفہ میں لائے۔

اس فرقہ کے نظریہ کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے ان کی بیعت واجب تھی۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ وہ باغی ہیں کیونکہ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں جن کے لئے قرآن میں صحیح حکم قتل کا موجود ہے۔ اس لئے معاویہ کی جماعت از روئے قرآن واجب القتل ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی! اور چونکہ حضرت علیؓ اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ انھوں نے حکم قرآنی میں اشخاص کو ثالث بنایا اس لئے ان کی خلافت ناجائز ہے اور ان کی جماعت اور معاویہؓ کی جماعت دونوں یکساں ہیں۔

خوارج کی اس دلیل میں منطقی غلطی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں ان کے لئے قرآن میں حد مقرر ہے بیشک صحیح ہے لیکن یہ امر کہ اہل شام اسی جرم کے مرتکب ہیں ثبوت کا محتاج ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ خود حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق تھا کہ آیا وہ منعقد بھی

ہوئی ہے یا نہیں اور یہ الیسا دعویٰ ہے کہ اس کے فیصلے کے لئے کسی کو ثالث مقرر کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اشخاص کو اللہ کے حکم میں فیصلہ کا اختیار دیا گیا۔ کیونکہ ان کے ثالث ماننے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ متعین کر دیں کہ اللہ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں۔

باقی رہا خوارج کا یہ اعتراض کہ ثالث مان لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو خود اپنی امامت میں شک تھا اور ایسے مشکوک امر میں ناحق انھوں نے مسلمانوں کی خونریزی کرائی۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ صاحب حق کا جب فریق ثانی انکار کرے تو اس کے لئے اپنے حق کے اثبات کیواسطے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی عدالت کی طرف رجوع کرے۔

بہرصورت اس جماعت جدیدہ یعنی خارجیوں نے بے بنیاد مقدمات ترتیب دیکر بالکل غلط نتیجہ نکالا اور امت کی مصیبتا میں اور اضافہ کر دیا۔ اب مسلمانوں میں بجائے دو کے تین سیاسی فرقے ہو گئے اور حضرت علی کو شامیوں کی بیرونی جماعت کے ساتھ خود اپنی جماعت کے ان اندرونی مخالفوں کا بھی سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ سب ان کے وہی شیعہ تھے جو کل تک ان کو افضل المسلمین اور امیرالمومنین تسلیم کرتے تھے اور آج ان کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

فیصلۂ ثالثی جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علیؓ نے ابوموسیٰ اشعری اور شریح بن ہانی کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ متعلم فیصلہ

کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ بن عباس اس قافلے کے پیش نماز تھے۔

مقابلے میں امیر معاویہؓ نے بھی عمرو بن عاص کو اسی قدر آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ دونوں جماعتیں دومۃ الجندل کے قریب مقام اذرح میں مجتمع ہوئیں۔

امیر معاویہؓ کی طرف سے قاصد خطوط لے کر سلسلہ وار عمرو بن عاص کے پاس آیا کرتے تھے جن کے مضمون سے ان کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا تھا اور نہ پوچھتا تھا کہ کیا مراسلہ آیا ہے۔ لیکن ادھر سے حضرت علی کا جب کوئی خط عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچتا تو اہل عراق مجتمع ہو کر ان سے سوال کرتے کہ امیر المومنین نے کیا لکھا ہے اور پھر اس کو مشہور کرتے اگر وہ نہ بتاتے تو طرح طرح کے قیاسات لڑاتے اور ان پہ بحثیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس ان کے اس شور و شغب سے تنگ تھے۔

اس موقع پر معززین امت میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی اور مغیرہ بن شعبہ موجود تھے۔

دونوں ثالثوں نے باہم مل کر مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کی۔ جو کچھ تاریخی روایتیں اس گفتگو کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

عمرو بن عاص: کیا آپکو اس امر کا یقین ہے کہ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوئے۔

ابو موسیٰ: بے شک۔

عمرو بن عاص: یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ان کے قصاص کے ولی اور وارث ہیں۔

ابوموسیٰ: ہاں!

عمرو بن عاص: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا۔

جو شخص ظلم سے مارا جائے اس کے ولی کو ہم نے صاحب اختیار کیا ہے۔

پھر آپ کو امیر معاویہ کے خلیفہ بنانے مے کیا شئے مانع ہے۔ خاندان قریش میں ان کو جو شرف حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی ابتدائی کوششوں میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خلیفۂ مظلوم کے ولی ہیں۔ جز سیاست میں ماہر اور حسن تدبیر میں شہرۂ آفاق۔ ان سب پر مزید یہ کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی اور کاتب وحی ہیں۔

یہ یقین رکھئے کہ اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے کہ کوئی دوسرا خلیفہ نہیں کر سکتا۔

ابوموسیٰ: عمرا! اللہ سے ڈرو۔ خلافت کے لئے دین اور تقویٰ کی فضیلت درکار ہے۔ محض خاندانی شرافت سے کام نہیں چلتا۔ علاوہ بریں اگر اسی پر نظر رکھی جائے تو خود حضرت علی قریش میں اس لحاظ سے سب سے

افضل ہیں۔ ان کے سوا دوسرا کون خلیفہ ہو سکتا ہے۔ امیر معاویہ خلیفہ مقتول کے خون کے ولی ضرور ہیں لیکن امت کی ولایت کا استحقاق ان کو کہاں سے حاصل ہوا۔ ابھی تک مہاجرین اولین موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے معاویہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

تم نے ان کے سلوک کی طرف جو اشارہ کیا تو اس کے جواب میں قسم کھاتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی اگر نکل جائے تب بھی میں ان کو خلیفہ نہیں بناؤں گا اور رشوت نہیں لوں گا۔ ہاں اگر تمہاری رائے ہو تو لاؤ حضرت عمر بن خطاب کے نام کو زندہ کریں اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنائیں۔

عمرو بن عاص: اگر آپ خلافت کے لئے عبداللہ بن عمر کو پسند کرتے ہیں تو میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں منتخب نہیں فرماتے۔ اس کی فضیلت اور صلاحیت سے تو تمام امت واقف ہے۔

ابو موسیٰ: بے شک تمہارا بیٹا بھی اس کا مستحق ہو سکتا تھا لیکن تم نے اس کو اس لڑائی میں شریک کر کے فتنہ میں آلود کر دیا۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں حکم اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے لیکن کون خلیفہ ہو اس میں اختلاف تھا بالآخر یہ طے پایا کہ اس امر کو امت پر چھوڑ دیا

جائے وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

اب بجز اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ مجمع میں اس فیصلہ کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ سب لوگ مجتمع ہوتے اور یہ دونوں ثالث وہاں گئے۔ عمرو بن عاص، ابو موسیٰ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے۔ اعلان کے لئے بھی حسب معمول انھیں کو کھڑا کیا۔ انھوں نے کہا کہ :-

جہاں تک ہم نے غور کیا امت کی فلاح کے لحاظ سے ہم کو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور اسی پر میری اور عمرو بن عاص کی رائے متفق ہوئی کہ حضرت علی اور معاویہ دونوں کو چھوڑ کر مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان دونوں کو معزول کیا اور امت کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اپنا امیر بنائے۔

اس کے عمرو بن عاص کھڑے ہوئے اور کہا کہ :-

جو کچھ فیصلہ ہوا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت علی کی معزولی سے میں بھی متفق ہوں لیکن معاویہ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ مقتول کے ولی اور ان کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔

یہ سنکر ابو موسیٰ نے ان کی مخالفت کی اور دونوں میں باہم سخت کلامی ہوئی۔ عام مؤرخوں کا بیان یہی ہے۔

لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے زبانی نہیں اعلان کیا تھا۔ بلکہ فیصلہ لکھا تھا کہ جو مجمع میں سنایا گیا۔ اس میں حضرت علی اور معاویہ دونوں کی معزولی تھی اور پنچوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں واقع ہوا تھا۔

یہ روایت قرین قیاس ہے۔ کیونکہ ثالثی نامہ جب لکھا گیا تھا اور شہادتیں قلمبند کی گئی تھیں تو فیصلہ زبانی ہونے کے کیا معنی ؟

نتیجۂ فیصلہ

جس وقت اس ثالثی کا اقرار نامہ لکھا گیا تھا اسی وقت ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کیونکہ شامیوں کا قرآن اٹھانا مصالحت کی غرض سے نہیں بلکہ بطور ایک جنگی تدبیر کے تھا۔ ورنہ واقعی اگر ان کو فیصلہ منظور ہوتا تو قبل از جنگ جب سفیر دونوں طرف سے آتے جاتے تھے اور صلح کی گفتگو جاری تھی وہ کتاب اللہ کو پیش کرتے۔

دوسرا فریق بھی اس پر خوشی سے راضی نہیں ہوا تھا بلکہ مجبوراً اس کو تسلیم کرنا پڑا تھا اس لئے بالطبع ثالثی کا فیصلہ فریقین کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

حضرت علی نے اس فیصلہ کو قرآن کے خلاف قرار دیکر نہیں تسلیم کیا۔

لیکن امیر معاویہ خوشی سے اس پر راضی ہو گئے۔ کیونکہ کم سے کم ان کی رُو سے حضرت علی تو خلافت سے معزول کئے گئے تھے اور امت کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کر لے اور وہ جانتے تھے کہ امت کا ایک بڑا حصہ میرے زیر اثر ہے اس لئے ان کو اپنے خلیفہ ہونے کی امید قوی ہو گئی۔

حضرت علی نے چاہا کہ اہل شام پر لشکر کشی کریں لیکن خوارج کا معاملہ بیچ میں سدراہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب انھوں نے شریح بن ہانی کو فیصلہ ثالثی کے موقع پر ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا تو خارجیوں نے مخالفت کی۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ثالثی کے معاملہ کو جو ہم نے کفر سمجھا ہے تو حضرت علی بھی اس میں ہمارے ہم خیال ہیں لیکن اس جماعت کے بھیجنے سے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مخالف ہیں۔ اس لئے شورش پر آمادہ ہو گئے انھوں نے عبداللہ بن وہب کے مکان میں مجتمع ہو کر اس کو اپنا امیر مقرر کیا اور یہ طے کیا کہ ہم اس شہر کو جہاں کے لوگ ظالم ہیں چھوڑ کر باہر نکل چلیں چنانچہ وہ متفرق طور پر نکلے اور جسر نہروان پر سب کے سب مجتمع ہو گئے۔ وہاں سے بصرہ وغیرہ دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی اپنے خروج کی اطلاع دی۔

کوفہ کے بقیہ لوگوں نے حضرت علی کے پاس آ کر کہا کہ ہم آپ کے مطیع ہیں جو حکم دیں گے اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ حضرت علی نے ان کے

سلمنے تقریر فرمائی اور کہا کہ پنچوں نے فیصلہ قرآن کے خلاف کیا۔ اب تم لوگ شام کی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس کے بعد خوارج کو لکھا کہ تم بھی ہماری جماعت میں آجاؤ۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ لڑائی آپ اپنی ذات کے لئے لڑنا چاہتے ہیں نہ کہ حق کے لئے۔ اس لئے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس جواب سے ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ چاہا کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ کر شام کی طرف چلیں۔ کوفہ سے باہر نکلکر نخیلہ میں خیمہ زن ہوئے۔ والی بصرہ عبداللہ بن عباس اور امیر مدائن کو لکھا کہ وہ فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ مختلف مقامات سے تقریباً ستر ہزار لشکر جمع ہو گیا۔

اس کے بعد خبر ملی کہ خوارج لوگوں کو اس فوج میں جانے سے روکتے ہیں اور کئی آدمیوں کو انھوں نے قتل بھی کر ڈالا حضرت علی نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ انھوں نے اس کو بھی مار ڈالا۔ امراء فوج نے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر ہم شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو یہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے لہذا بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کا فیصلہ کر دیا جائے حضرت علی نے ان کی نا کے کو مناسب سمجھ کر اسی طرف رُخ کیا۔ وہاں پہنچکر ان سے کہا کہ تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ دوسروں سے ہم کو سروکار نہیں اس پر

خارجیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے ان کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے خون کو حلال سمجھتے ہیں۔ حضرت علی نے ہر چند ان کو نصیحت کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر حضرت ابو ایوب انصاری کو حکم دیا کہ امان کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر اعلان کرا دیا کہ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آ جائے گا یا کوفہ وغیرہ کسی شہر کی طرف چلا جائے گا اس کو امان ہے۔ خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جھنڈے کے نیچے آ گئے اور کچھ لوگ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ ابن وہب کے ساتھ صرف ۲۸۰۰ آدمی رہ گئے۔ ان کے ساتھ جنگ ہوئی۔ ان میں سے اکثر مارے گئے۔ چار سو زخمی ہوئے جو میدان میں پڑے ہوئے تھے ان کو حضرت علی نے اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا کہ کوفہ میں لے جا کر علاج کریں۔

اس فتح کے بعد شام کی روانگی کا حکم دیا لیکن لوگوں نے کہا کہ ہمارے تیر اس لڑائی میں ختم ہو چکے۔ تلواریں کند ہو گئیں اور نیزے خراب ہو گئے چند روز قیام کیجئے تاکہ ہم اپنے اسلحے ٹھیک کرا لیں۔ ممکن ہے کہ اس درمیان میں اور لوگ بھی آ کر شریک ہو جائیں جن سے ہماری تعداد اور قوت میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت علی واپس آ کر مقام نخیلہ میں کچھ دنوں کے لئے ٹھہر گئے اور ساز و سامان کی تیاری کا حکم دیا۔

اہل عراق چھپ چھپ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے اور بجز رؤسا، و امراء فوج کے بہت کم لوگ وہاں رہ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت علی بھی کوفہ میں آگئے۔ امراء اور سرداران قبائل کو جمع کرکے شام کی لشکر کشی کے متعلق مشورہ لیا۔ ان میں سے بعضوں نے مخالفت کی۔ بعضوں نے بیماری کا عذر کیا اور کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے خوشی سے رضامندی ظاہر کی۔

حضرت علی روزانہ پُرجوش خطبے سُنا سُنا کر اہل کوفہ کو ابھارتے تھے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ زبان سے چلنے کا اقرار کرلیتے اور وقت پر گھروں میں بیٹھ جاتے۔ آخر جب دیکھا کہ یہ لوگ تیار نہیں ہوتے تو مایوس ہوکر شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اہل شام کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہاں کی تمام فوج تابع اور یک دل اور یک زبان تھی۔

امیر معاویہ کی نظر میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ مصر کا تھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد محمد بن حذیفہ نے وہاں اپنا تسلط جما لیا تھا۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے آغاز ۳۶ھ میں قیس بن سعد کو جو اُن کے خاص طرفداروں میں سے تھے مصر کا والی مقرر کیا۔ قیس ایک بیدار مغز اور عقلمند امیر تھے۔ انھوں نے اہل مصر کو اپنے قابو میں کر لیا البتہ

ایک جماعت جس کے سردار مسلمہ بن مخلد انصاری تھے اور جو حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے کی وجہ سے حضرت علی کی خلافت کو ناجائز سمجھتی تھی۔ قیس کے خلاف ہو کر مقام خرتبا میں آکر مجتمع ہو گئی۔ قیس نے کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا اور نہ تمہارے وظیفے بند کرونگا بشرطیکہ امن سے ساتھ رہو۔

امیر معاویہ مصر میں قیس کی موجودگی کو اپنے حق میں مضر سمجھتے تھے ان کو یہ خطرہ تھا کہ ایک طرف سے عراق کی فوجیں آگئیں اور دوسری طرف سے مصر کی تو ہم بیچ میں پڑ جائیں گے اور دونوں سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انھوں نے قیس کو اپنا طرفدار بنانے کے لئے ایک خط لکھا ادھر سے حسب منشا جواب نہ آیا۔ پھر دوسرا خط لکھا۔ قیس نے صاف لکھ دیا کہ مجھ سے کسی قسم کی توقع نہ رکھو۔

امیر معاویہ نے باوجود اس جواب کے پھر بھی اہل شام میں یہ مشہور کیا کہ قیس ہمارے حامی ہیں۔ انھوں نے خطوط میں ہماری خیر خواہی کا اظہار کیا ہے تم لوگ ان کی طرف سے مطمئن رہو۔ دیکھو جو ہمارے حامی خرتبا میں مقیم ہیں ان کے ساتھ انھوں نے کیسا اچھا برتاؤ کیا ہے۔ نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی ہے نہ ان کے وظیفوں کو بند کیا ہے۔

جب اس خبر کا چرچا پھیلا تو شام میں حضرت علی کے جو جاسوس تھے

انھوں نے ان کو اس سے مطلع کیا۔ حضرت علی کے دل میں قیس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ حکم لکھا کہ اہل خربتا سے جنگ کرو۔

قیس نے کہا کہ ان کی تعداد دس ہزار ہے اور ان میں زیادہ تر اعیان و شرفاء مصر ہیں۔ میں نے جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے یہی مناسب ہے اس میں کوئی ضرر نہیں۔ اور جنگ کی صورت میں ایک فتنہ عام برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ایک تو خود وہ لوگ اس نیستاں کے شیر ہیں دوسرے معاویہ ان کی مدد کریں گے۔

حضرت علی نے اُن کے عذر کو قبول نہیں کیا اور لڑنے کی تاکید لکھی۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ اگر میرے اوپر کسی قسم کی بدگمانی ہے تو میں امارت چھوڑتا ہوں کسی دوسرے کو یہاں بھیج دیجئے ۔ ۔ ۔ ۔ محمد بن ابوبکر وہاں کے امیر بنائے گئے۔ انھوں نے اہل خربتا کو لکھا کہ تم لوگ بیعت کر لو ورنہ ملک مصر سے نکل جاؤ۔ وہ لوگ جنگ کے تیار ۔ ۔ ۔ ہو گئے۔ اسی دوران میں معرکہ صفین شروع ہو گیا۔ اس لئے دونوں فریق نتیجہ کے انتظار میں خاموش رہے۔ جب اہل خربتا کو صفین سے حضرت علی کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو وہ محمد بن ابوبکر کے مقابلہ میں آگئے اور مصری فوجوں کو شکست پر شکست دینی شروع کی۔ حضرت علی نے یہ حال سنکر اشتر کو جو جزیرہ کے والی تھے مصر کی ولایت کا فرمان بھیجا۔ وہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں

مقام قلزم میں پہنچکر انتقال کر گئے اور مصر کی حکومت محمد بن ابوبکر ہی کے ہاتھ میں رہی۔

فیصلہ ثالثی کے بعد امیر معاویہ نے اپنی خلافت کی اہل شام سے بیعت لے لی۔ اس سے ان کی عظمت اور قوت بڑھ گئی۔ انھوں نے اہل خرنبا کے سرداروں مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج کو لکھا کہ تم لوگ دل میں ہراس نہ لانا۔ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔ ان لوگوں نے لکھا کہ ہم مقابلہ میں جمے ہوئے ہیں یہاں کا والی ہم سے خود خوف زدہ ہے۔ لیکن مدد جلد بھیجئے۔ امیر معاویہ نے عمرو بن عاص فاتح مصر کو چھ ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھ سے تم کو کوئی صدمہ پہنچے۔ لیکن وہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر کسی کے گھر میں چھپ رہے۔ معاویہ بن خدیج نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ میں جلا دیا۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کو امداد کے لئے لکھا تھا۔ وہ بڑی کوشش سے دو ہزار آدمی مصر جانے کے لئے آمادہ کر سکے۔ جس وقت روانہ کیا، اسی وقت محمد کے قتل کی خبر آگئی۔ اس لئے راستہ سے واپس بلا لیا۔ حضرت علی کو محمد کے قتل ہو جانے کا بہت صدمہ ہوا۔

مصر کے قبضہ نے امیر معاویہ کے حوصلے کو بہت بڑھا دیا۔ اب انھوں

نے ہر طرف اسلامی صوبوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کرنی شروع کیں۔

نعمان بن بشیر کو عین التمر کی جانب بھیجا۔ وہاں کے والی مالک بن کعب نے حضرت علی سے امداد طلب کی۔ انھوں نے اہل کوفہ کو حکم دیا لیکن کوئی نہیں گیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج کے ساتھ انبار اور مدائن کی طرف روانہ کیا۔ وہ ان مقامات سے عمادا مال وخراج جمع کر کے لے گئے۔ حضرت علیؓ اطلاع پاکر تعاقب کے لئے نکلے۔ لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔

عبداللہ بن مسعدہ کو تیمار کی طرف بھیجا اور وہاں سے مکہ اور مدینہ جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی نے ان کے مقابلہ کے لئے مسیتب کو روانہ کیا تیمار میں فریقین میں جنگ ہوئی ۔ آخر میں مسیتب نے ان کو بھاگنے کا موقع دے دیا اور ابن مسعدہ فوجیں نکال لے گئے۔

ضحاک بن قیس کو بصرہ اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج دے کر حجاز اور یمن کی طرف بھیجا۔ بسر نے آکر مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اہل مدینہ سے امیر معاویہ کی خلافت کی بیعت لی۔ پھر مکہ میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی بیعت کر لی اس کے بعد یمن کی طرف بڑھے۔ عبیداللہ بن عباس والی یمن حضرت علی کے پاس کوفہ چلے آئے۔ بسر نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور

ل یمن سے بھی بیعت لے لی۔

بسر ایک خونریز آدمی تھا۔ اس نے عبیداللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو جنہیں وہ صنعاء میں چھوڑ گئے تھے قتل کر ڈالا۔

اس وقت اسلامی صوبوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔ امت کا شیرازہ متفرق اور نظام ابتر تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن عباس والی بصرہ بھی حضرت کی حمایت چھوڑ کر مکہ میں چلے آئے کیونکہ ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ رقم لے لی ہے۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ فیصلہ کے بعد سے حضرت علی دعائے آخر میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ ادھر معاویہ نے جب سنا تو وہ بھی حضرت علی اور ان کے ساتھیوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجنے لگے۔ یہاں تک کہ بنی امیہ میں اس کا دستور ہو گیا اور وہ جمعہ کے خطبوں میں بھی لعنت بھیجنے لگے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم کو اپنے عہد میں مٹایا۔

ابن ملجم

عالم اسلامی کا یہ اضطراب دیکھ کر خوارج میں سے تین شخص عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تیمی باہم مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مصیبت سے امت کی رہائی

کی کیا صورت ہے۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ حضرت علی، امیر معاویہ اور عمرو بن عاص تینوں آدمی اگر قتل کر دئے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ لہذا ہم میں سے ہر شخص ان میں سے ایک ایک کے قتل کا ذمہ لے۔ ابن ملجم نے حضرت علی کے قتل کا ذمہ لیا۔ عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کا اور برک نے امیر معاویہ کا۔ اور تینوں نے قسم کھائی کہ یا تو ہم ماریں گے یا مر جائیں گے۔ ۱۵ر رمضان سنہ ۴۰ھ تاریخ مقرر ہوئی کہ اس روز حملہ کریں۔ ابن ملجم نے اپنے اس ارادہ کی اطلاع اپنے بھائیوں میں سے کسی کو نہیں دی اور کوفہ میں آگیا۔ یہاں تیم رباب کے قبیلہ کے کچھ لوگ تھے جن کے دس آدمی نہروان کی لڑائی میں حضرت علی کی فوج نے قتل کئے تھے۔ ان مقتولین میں شجنہ اور اس کا بیٹا بھی تھا۔ شجنہ کی بیٹی قطام کوفہ میں تھی۔ ابن ملجم نے جو اسی قبیلہ میں ٹھہرا تھا جب اس کو دیکھا تو اس کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے فریفتہ ہو گیا اور نکاح کا پیغام بھیجا۔ قطام نے کہا کہ اس شرط پر کہ پہلے مہر ادا کر دو۔ اس نے کہا کس قدر؟ کہا تین ہزار درہم۔ ایک لونڈی اور ایک غلام اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے منظور کیا اور کہا کہ میں اس شہر میں خاص اسی کام کے لئے آیا ہوں کہ حضرت علی کو قتل کردں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوں تو کسی کے سامنے اس لفظ کو زبان پر نہ لانا۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ تم اچانک بے خبری میں ان کو

مار ڈالو۔ اگر بچ گئے تو ہم دونوں عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش تمہارے لئے دنیا کے عیش سے بدرجہا بہتر ہوگا۔

قتل ابن ملجم نے اپنے دوستوں میں سے ایک معتمد کو جو اس کو کام میں مدد دے سکے اپنا ہمراز بنایا۔ قطام نے بھی اپنے قبیلہ کے ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا۔ حسب قرارداد ۱۵ رمضان کو مسجد میں جہاں حضرت علی نماز پڑھایا کرتے تھے جا کر گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے تو ان کے سر پر تلوار ماری۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کرو۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔

زخم زیادہ کاری پڑا تھا۔ تیسرے دن یوم شنبہ ۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ کو حضرت علی رحلت فرما گئے۔ آخری وقت میں لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم آپکے بعد امام حسن کو خلیفہ بنائیں۔ فرمایا کہ نہ میں تم کو حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔

وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا اور وصیت کی کہ اگر میں گزر جاؤں، تو صرف قاتل سے قصاص لیا جائے۔ دوسرے لوگ نہ قتل کئے جائیں۔ اور قاتل کے بھی اعضا نہ کاٹے جائیں کیونکہ اسلام میں دلوانے کتے کا بھی مثلہ کرنا روا نہیں ہے۔

حضرت کی مدت خلافت چار سال اور چند روز کم نو مہینے تھی۔

برک بن عبداللہ نے اسی تاریخ کو دمشق میں امیر معاویہ پر جب وہ مسجد

کے دروازے سے نکلنے لگے وار کیا۔ لیکن ان کو خفیف زخم آیا جو چند روز علاج کرنے سے اچھا ہو گیا۔ اس کے بعد سے انھوں نے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ہر وقت اپنے ساتھ محافظ رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ جس وقت نماز پڑھتے تھے اس وقت بھی دونوں طرف دو سپاہی مسلح کھڑے رہتے تھے۔

عمرو بن عاص اس روز بیمار تھے۔ اس لئے اپنی بجائے خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کے لئے بھیجا۔ عمرو بن بکر کو جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا سمجھا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں اور انھیں کو قتل کر ڈالا۔

بیبیاں علی

حضرت علی نے ۹ نکاح کئے۔

(۱) فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سب سے پہلی بیوی تھیں جب تک یہ زندہ رہیں دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا ان کے بطن سے دو بیٹے امام حسن اور حسین اور دو بیٹیاں زینب کبریٰ وام کلثوم کبریٰ تھیں۔

(۲) ام البنین بنت حزام۔ ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود تمیمی ان سے دو بیٹے عبداللہ اور ابوبکر ہوئے۔

(۴) اسماء بنت عمیس۔ محمد اصغر کی والدہ ہیں۔

(۵) صہبا بنت ربیعہ بنی تغلب کے اسیرانِ جنگ میں آئی تھیں۔ ان سے عمر اور رقیہ دو بچے پیدا ہوئے۔

(۶) امامہ بنت ابی العاص۔ یہ زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں، ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

(۷) خولہ بنت جعفر الحنفیہ۔ ان سے محمد پیدا ہوئے جو اپنی ننہالی نسبت سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۸) ام سعید بنت عروہ بن مسعود۔ ان سے دو بیٹیاں ام الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

(۹) محیاۃ بنت امراء القیس۔

ان کے علاوہ مختلف امہات ولد سے کئی بیٹیاں تھیں۔

ام ہانی۔ میمونہ۔ زینب۔ رملہ صغریٰ۔ ام کلثوم صغریٰ۔ فاطمہ امامہ۔ خدیجہ۔ ام الکرام۔ ام سلمہ۔ ام جعفر۔ جمانہ اور نفیسہ۔

تمام اولاد میں صرف پانچ کی نسل چلی۔

حسن، حسین۔ محمد بن حنفیہ، عباس اور عمر رضی اللہ عنہم۔

مناقب علی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صفات عالیہ میں نمایاں ترشجاعت ہے۔ بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے۔ لیکن کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے ان کی بہادری

کا اظہار اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان کو اپنے بستر پر سلایا تھا۔ مکان کے باہر دشمن شمشیر بکف قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے لیکن یہ بے خوف و خطر سو رہے۔ اس کے بعد غزوۂ بدر اور خیبر کے کارناموں نے ان کو بہت مشہور کر دیا۔ بڑے بڑے جنگ آور ان کے سامنے آتے ہوئے لرزتے تھے۔ لڑائیوں میں کبھی ان کو پروا نہ ہوتی تھی کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آ رہی ہے۔ عہد رسالت کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک ان کی تلوار میان میں رہی لیکن پھر اپنے زمانہ خلافت میں اس کو باہر نکالا تو اس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی۔

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ فطری طور پر ان میں ہاشمی فہم و ذہانت تھی۔ ہمیشہ آنحضرت کی صحبت میں رہے اور قرآنی تفقہ سیکھا۔ نیز دربار خلافت کے کاتب خصوصی تھے۔ ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ خلفاء سابقین خاص کر حضرت عمرؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر انھیں کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثال تھے۔ ان کے خطبات و مکاتیب کا جو مجموعہ شریف مرتضیٰ نے نہج بلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے اس کے

دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ دراصل وہ حکیم العرب اور آنحضرت کے بعد سب سے زیادہ خوش بیان تھے۔

ان کے بعض بعض خطبے اور خطوط تو اس قدر لطیف و پُرمعنی و دلنشیں و حکمت آموز ہیں کہ ان کو انسانی فضل و کمال و گویائی و دانائی کی آخری حد کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح زہد ترک دنیا ایثار و رضاجوئی حق عبادت و ریاضت، کمال حلم و حکمت جس بات پر ہم نظر ڈالتے ہیں وہ صحابہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

اسباب مخالفت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات تھی کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ جو خاندانِ رسالت سے کوئی قریبی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی تو امت نے کامل وفاداری کے ساتھ اطاعت کی اور متفق و متحد ہو کر ان کے اشاروں پر چلتی رہی لیکن حضرت علی کے عہد میں جو آنحضرت کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور خود بھی صفات عالیہ میں ممتاز تھے مخالفت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس سوال کا جواب ان کے عہد کے حالات پڑھنے سے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں مل سکتا ہے لیکن اجمالی طور پر مخالفت کے اسباب یہاں بھی بیان کر دیتے ہیں۔

(۱) حضرت علی اپنی خصوصیات اور قرابتِ رسول کی وجہ سے خلافت

کو اپنا حق سمجھتے تھے اور اس امر کو بار بار اپنی تقریروں میں ظاہر بھی کیا کرتے تھے اور انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جو شخص اپنے تفوق کا اظہار کرے اس کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا۔ لوگ تو بالطبع اس کی طرف جھکتے ہیں جو حضرت ابوبکر کی طرح یہ کہے کہ

میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔

حضرت علی جو رائے کسی معاملہ میں رکھتے تھے اسی کو ٹھیک سمجھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ لوگوں کی مخالفت کی ان کو پروا نہیں ہوتی تھی۔ مشورہ جو خلفاء سابقین کا دستور تھا، ان کے عہد میں جاتا رہا۔ چنانچہ ایک بار حضرت طلحہ اور زبیر نے بیعت کرنے کے بعد شکایت بھی کی کہ آپ نے ہمیں کسی کام میں شریک نہ کیا۔ نہ کسی معاملہ میں رائے لی۔ جواباً کہا کہ کون سا معاملہ میرے سامنے ایسا پیش ہوا جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا جو تم کو بلا کر مشورہ لیا۔ میرے لئے کتاب و سنت کافی ہے۔ مجھے تمہاری یا کسی دوسرے کی مدد کی احتیاج نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی طبیعتیں اس کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

(۲) جس وقت وہ خلیفہ ہوئے سب سے پہلے والیان صوبہ کی معزولی کا فرمان صادر کیا۔ خیر خواہوں نے ہر چند اس کو ملتوی کرنے کی رائے دی لیکن نہیں قبول فرمایا۔ امراء نے خیال کیا کہ ان کی خلافت ہمارے لئے

مصیبت ہو گی۔ اس لئے سب کے سب ان کے مخالف ہو گئے۔

(۳) خلفار سابقین کے ان فیصلوں کی جو ان کی رائے میں صحیح نہ تھے۔ از سر نو اصلاح شروع کی۔ حضرت عثمان نے جو اقطاع زمین کو دیئے تھے ان کو واپس لے لیا۔ عبیداللہ بن عمر کو جنہوں نے ہرمزان کو حضرت عمر کے قتل کی سازش کے شبہ میں مار ڈالا تھا اور جن کے مقدمہ کو حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت کو اپنے ذمہ لے کر طے کر دیا تھا قصاص میں قتل کرنا چاہا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ تھے ان کے فیصلہ کا احترام واجب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبیداللہ مدینہ سے بھاگ کر دمشق چلے گئے اور امیر معاویہ کی طرف سے صفین میں ان کے مقابل میں ایک فوج لیکر آئے

امیر معاویہ اُمرار فوج اور رؤسار قبائل کے ساتھ مراعات و مدارات اور ان کی بہت سی باتوں سے چشم پوشی کر کے ان کو قابو میں رکھتے تھے لیکن حضرت علی ایک ایک جَو کا حساب لیتے تھے اس سے بھی لوگوں کے دل برگشتہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حالانکہ ایسے زمانہ میں چغلخور خیرخواہوں کے متعلق طرح طرح کی تہمتیں گھڑ کر مشہور کر دیتے ہیں ممکن ہے کہ قیس بن سعد والی مصر اور عبداللہ بن عباس دونوں پر اسی قسم کے لوگوں نے اتہام لگا دیا ہو۔

بے شک عمرؓ نے بھی اپنے عمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کی اور حضرت علی کی حالت میں بڑا فرق تھا کیونکہ وہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت ان کے ساتھ ہوتی تھی اور یہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت کا زیادہ تر حصہ ان کے خلاف ہوتا تھا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت علی امت کو حق پر چلانا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے دلوں پر قابو حاصل کر لینا ضروری تھا۔

(۴) حضرت علی کو جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا یعنی اہل عراق۔ ان کو راہ راست پر چلانے کے لئے ان پر سخت قابو رکھنے کی ضرورت تھی اور حضرت علی یہ کر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو خلیفہ بنایا ہے اور اسی وجہ سے ان کے اوپر حاوی ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان کو قتل کرنے کے بعد ان کے دلوں سے خلیفہ اور خلافت کی ہیبت بھی مٹ چکی تھی۔

چنانچہ جنگ صفین میں شامیوں کے قرآن اٹھانے کے موقع پر ہر چند حضرت علی نے اہل عراق سے لڑائی جاری رکھنے کے لئے کہا لیکن انھوں نے قطعی انکار کر دیا اور ان کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہا کہ اگر آپ نہیں مانیں گے تو ہم آپکے ساتھ بھی وہی کرینگے جو عثمان کے ساتھ کیا ہے۔ آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ حضرت علی پکارتے تھے وہ نہیں

سنتے تھے۔ حکم دیتے تھے وہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے مجبوراً شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ بلکہ وہی لوگ خود ان کے اعمال پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ چنانچہ جب انھوں نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا تو عراقیوں نے کہا کہ حجاز کے والی قثم بن عباس۔ یمن کے عبیداللہ بن عباس مصر کے عبداللہ بن عباس۔ پھر ہم نے فضول حضرت عثمان کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت اور ایسی فوج سے وہ کیا کام لے سکتے تھے۔ چنانچہ ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی کاہلی کا نتیجہ ہے جو قریش کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب اگرچہ مرد شجاع ہے لیکن فنون جنگ سے واقف نہیں۔ روز بروز عراقیوں کی نافرمانی بڑھتی گئی۔ حضرت علی ان سے تنگ آکر دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھ کو ان سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان کے اوپر کسی ظالم کو مسلط کر دے۔ غالباً انہی کی دعا کا یہ اثر پڑا کہ کوفہ ان کے بعد حوادث کا مرکز بن گیا اور ایسے ایسے سفاک اور خونریز حاکم یہاں آئے جنہوں نے اہل عراق کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ یہاں تک کہ ویران ہو گیا۔

(۵) فرقہ خوارج جو انھیں عراقیوں میں سے ایک جاہل اور باغی گروہ پیدا ہو گیا تھا اس نے بھی حضرت علی کے راستے میں بہت رکاوٹ ڈالی اور آخر میں اسی جماعت کے ایک سپاہی دلیر نے انہیں قتل بھی کر ڈالا۔ الغرض

حضرت علی کی شخصیت بہ لحاظ اپنی بے نظیر خوبیوں کے اگرچہ جماعتِ صحابہ میں ممتاز تھی لیکن ان کا عہدِ خلافت اسباب مندرجہ بالا کے باعث خانہ جنگی اور شورش کا عہد ہو گیا۔ اسلامی طاقت اور شوکت کو نقصان پہنچا اور فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا۔

امام حسنؓ

حضرت علی کے بعد اہل عراق نے امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر معاویہ فوجیں لے کر آ گئے۔ عراقی پہلے ہی حملے میں شکست کھا گئے۔ امام حسن بھی زخمی ہو گئے۔ اس وجہ سے انھوں نے صلح کی خواہش کی اور مصلحت عام کو پیش نظر رکھ کر مزید خونریزی سے کنارہ کش ہو گئے

امیر معاویہ نے ایک سادہ قرطاس دستخط کر کے ان کے پاس بھیج دیا کہ جو شرائط آپ چاہیں اس پر لکھ دیں۔ انھوں نے لکھا کہ اہل عراق کو امن عام دے دیا جائے۔ گزشتہ لڑائیوں کے انتقام میں کسی کی گرفت نہ ہو۔ اہواز کا خراج مجھے ملتا ہے اور میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ درہم سالانہ دئے جائیں۔ اور عطیہ اور صلہ میں بنی ہاشم دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں۔ امیر معاویہ نے ان سب باتوں کو منظور کر لیا۔

امام حسین نے امام حسن سے کہا کہ علی کے مقصد کو آپ نے مٹا کر معاویہ کے منصوبہ کو پورا کیا۔ انھوں نے کہا کہ خاموش رہو، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ربیع الاول ۴۱ھ میں یہ عہد نامہ مکمل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو امام حسن کے بارے میں فرمائی تھی کہ:۔

میرا یہ بیٹا سید ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

امام حسن اور حسین وغیرہ سب لوگوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر ساری امت ایک علم کے نیچے آ گئی۔ اس لئے اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ

میں

مدنیتِ اسلام

جو زمانہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے امیر معاویہ کی بیعت عام تک ختم ہو جاتا ہے اور جس کی مدت تیس سال ہے تاریخ میں اس کو عہدِ خلافتِ راشدہ کہتے ہیں۔

اس عہد میں جو اسلامی مدنیت تھی اس پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔ مدنیت سے ہماری مراد وہ نظام ہے جس پر امت اپنے اجتماعی امور میں کاربند تھی۔ خواہ وہ امور اندرونی اصلاحوں سے تعلق رکھتے ہوں یا بیرونی جنگوں سے۔

خلافت مدنیت کا سب سے پہلا مظہر خود اسلامی خلافت کا قیام تھا رئیس امت کا لقب خلیفہ رسول رکھا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے لئے بجائے خلیفہ کے امیرالمومنین کا لفظ پسند کیا جس سے انکے عہد سے

کے صحیح مفہوم اور جمہوریت دونوں کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کے بعد سے یہی لفظ تمام خلفاً کے لئے مستعمل رہا۔

خلافت دراصل دنیاوی ریاست ہے جس کی بنیاد دین پر رکھی گئی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ اصول دین کے مطابق ہر قسم کی صلاح وفلاح کی طرف امت کی عملی رہنمائی کرے۔ اس لئے خلیفہ جب تک نصوص شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ دے اس کی اطاعت واجب ہے۔

خلافت راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآن اور سنت پر تھی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثال و نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم نکالتے تھے۔ خلیفہ استنباط مسائل میں دیگر علماء و مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہو جاتے تو اس کا اتباع لازمی ہو جاتا۔ اسی کو اصطلاح فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ ان میں سے کسی صورت کو ترجیح دیکر اس کے مطابق حکم دیتا تھا۔

الغرض خلیفہ کو کوئی تشریعی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہ تھی کہ وہ جو چاہے حکم دیدے وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز تھا۔

انتخاب خلیفہ کی بنیاد شوریٰ پر تھی۔ خلیفہ جو دوسرے کو اپنا ولیعہد بناتا تھا تو

وہ بھی سب سے مشورہ لے کر بناتا تھا۔ اس لحاظ سے اسلامی خلافت دراصل جمہوری ہے صرف فرق یہ ہے کہ عام خیال کے مطابق رئیس اسلام یعنی خلیفہ کو قبیلہ قریش میں سے ہونا چاہیئے۔

خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط لی جاتی تھی کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق عمل کریگا۔ حضرت عثمان کی بیعت میں سنت شیخین کا لفظ اور بڑھایا گیا لیکن یہ زیادتی حضرت علی کی بیعت میں حذف کردی گئی۔

خلفاء اکثر امور میں اصحاب رائے سے مشورہ لیتے تھے حضرت عمرؓ خصوصیت کے ساتھ اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے وہ کل کاموں میں اعیان صحابہ حضرت عثمان، علی اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم سے رائے لیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس اگرچہ کمسن تھے لیکن چونکہ عقل وفہم میں ممتاز تھے اس لئے ان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ جو اس کی سمجھ میں آتا تھا کہتا تھا۔

عام معاملات میں اگرچہ رجال شوریٰ خود ان کے منتخب کردہ ہوتے تھے لیکن کوئی دوسرا شخص بھی اگر مناسب رائے دے سکے تو اسکے لئے رکاوٹ نہ تھی الغرض نظام خلافت میں جمہوریت اور مساوات کی پوری روح تھی اگر کچھ کمی تھی تو صرف اس بات کی کہ یہ متعین نہ تھا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق کن

لوگوں کو حاصل ہے ورنہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں نزاع نہ واقع ہوتی۔ کیونکہ حضرت علی سمجھتے تھے کہ حقِ انتخاب صرف اہل مدینہ کو حاصل ہے۔ انھوں نے جب کسی کو منتخب کر لیا تو بیعت خلافت مکمل ہو گئی۔ اہل شام کا خیال تھا کہ جب تک تمام امراء اور دیار و امصار کے اعیان و روٴسا بیعت نہ کرلیں اس وقت تک خلافت مسلم نہیں ہو سکتی۔

خلافت راشدہ میں شاہانہ تمکنت اور جاہ و جلال کی کوئی شان نہ تھی۔ عام لوگوں کی طرح خلیفہ بھی سڑکوں پر پیدل پھرتا تھا نہ اس کے ساتھ محافظ ہوتے تھے نہ نقیب۔ سب لوگ اس سے ملتے تھے اور سب سے وہ ملتا تھا۔ دوسرے مسلمانوں میں اور اس میں بجز عہدۂ خلافت کے اور کوئی امتیاز نہ تھا۔

صیغہ قضا مقدمات کا فیصلہ قانونِ شرع کے مطابق خلیفہ کے فرائض میں سے تھا اس لئے خلفاء اس کام کے واسطے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے۔

خلیفۂ اول کے عہد میں ہر شہر کا جو عامل ہوتا وہی فصل خصومات کی خدمت بھی انجام دیتا۔ لیکن عہد فاروقی میں محکمہ قضا ایک جداگانہ مستقل صیغہ قرار دیا گیا۔ اس کو انتظامی امور سے کوئی تعلق نہ تھا۔ قاضیوں کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی اور تجارت وغیرہ کرنے کی ممانعت تھی۔

ان تمام قاضیوں میں سے جو اس عہد میں مقرر ہوئے تھے کسی ایک

کے بارے میں بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مقدمہ میں رو رعایت کی ہو یا انصاف کا خیال نہ رکھا ہو۔ ان کی نگاہوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ رعیت اور خلیفہ سب برابر تھے۔

یہ قضاۃ مجتہد مطلق نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کا کام یہ تھا کہ قانونِ شرعی کو اچھی طرح سمجھ کر جن واقعات اور حوادث میں کوئی صریح حکم نہ ملے تو نظائر و امثال پر قیاس کر کے ان کا فیصلہ کریں۔ یعنی قواعد کلیہ کا استنباط کر کے ان سے جزئی احکام نکالیں۔

قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو گئی تھی جو قوانین شرعیہ سے استنباط احکام کا تفقہ حاصل کرتی تھی۔ قاضی مشکل امور میں اس جماعت سے بھی مدد لیتے تھے۔

سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس زمانہ تک احادیثِ رسول مدون نہیں ہوئی تھیں۔ صحابہ دیار و امصار میں متفرق تھے اور ایک کے پاس جو حدیثیں تھیں وہ دوسرے کے پاس نہیں تھیں۔ اس لئے قاضیوں کے فیصلے ایک ہی قسم کے معاملات میں باہم مختلف ہوتے تھے۔ کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تھی اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا وہ استنباط اور اجتہاد سے کام لے کر دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا ان فیصلوں کا اندراج کسی دفتر میں نہیں

ہوتا تھا نہ فریقین کو اس کی باقاعدہ نقل دی جاتی تھی اور نہ ان کے تنفیذ و اجراء کے لئے کوئی طاقت استعمال میں لائی جاتی تھی بلکہ قاضی جو حکم دیتا تھا محکوم علیہ فوراً تعمیل کر دیتا تھا۔

اس زمانہ میں فریقین کی حیثیت مستفسر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی جب ان کو اپنے معاملہ میں شرعی حکم قاضی کی عدالت سے معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے مطابق کاربند ہو جاتے تھے۔

قصاص اور حد کا اجراء خود خلیفہ یا امراء صوبہ کے اختیار میں تھا۔ قضاۃ کو اس سے تعلق نہ تھا۔

یہ قضاۃ صرف بڑے بڑے شہروں میں تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس عہد میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے۔

کوفہ میں حضرت عمرؓ نے شریح بن حارث کندی کو قاضی مقرر کیا تھا۔ جو متواتر ۷۵ سال تک اپنے عہدے پر رہے۔ ابن زبیر کی لڑائیوں کے دوران میں صرف تین سال معطل رہے تھے اسلامی قضاۃ میں یہ نامور اور مشہور ہیں مدینہ کے سب سے پہلے قاضی حضرت ابو درداء اور مصر کے قیس بن ابی العاص تھے۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن قیس کو اصول عدالت پر ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

عدالت فرض محکم اور سنت رسول ہے اجلاس میں فریقین کو اپنے سامنے

مساوی رکھو تاکہ جو ادنیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے ناامید اور جو اعلیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے امیدوار نہ ہو جائے۔ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور (وہ ثبوت نہ لائے تو) قسم مدعا علیہ پر مصالحت جائز ہے لیکن ایسی کہ جس سے حلال حرام اور حرام حلال نہ ہونے پائے جو فیصلہ تم نے کیا ہے غور کرنے سے اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر ڈالو جس معاملہ میں خلجان ہو اور وہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو خوب غور کرو اس کے نظائر کو دیکھو پھر انہیں پر قیاس کر لو۔ مدعی کو ثبوت کے لئے ایک مدت معینہ کی مہلت دو اگر وہ ثبوت لائے تو اس کا حق دلا دو۔ ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کر دو۔ تمام مسلمان ایک دوسرے پر شہادت کے لئے قابل اعتبار ہیں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے حد شرعی میں درے کھائے ہوں یا جھوٹی شہادت میں ان کا تجربہ ہو چکا ہو یا دلاء اور وراثت کے معاملہ میں مشتبہ ہوں۔ اس مکتوب کو عام طور پر اس عہد کے قاضیوں نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ کے قاضی زید بن ثابت مقرر ہوئے اور یہاں دار القضاء بنایا گیا اس سے پہلے بیشتر مقدمات مسجد میں فیصل کئے جاتے تھے

فوج

خلیفہ اول کے عہد میں کل فوج رضاکار تھی نہ ان کے نام کسی دفتر میں منسلک تھے نہ ان کو تنخواہ دی جاتی تھی صرف مال غنیمت کے چار حصے ملتے تھے۔ امراء لشکر اسی میں سے حصہ رسدی کے مطابق ہر سپاہی کو تقسیم کرتے تھے

جو شخص کوئی نمایاں کام کرتا اس کو خاص انعام بھی دیا جاتا۔ علاوہ بریں جو مجاہد کسی کافر کو قتل کرتا اس کو مقتول کا ساز و سامان ملتا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں فوج کا دفتر مرتب کرایا اور بیت المال سے مجاہدین کی تنخواہ مقرر کی۔ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف رکھی گئیں۔ طبقہ اول میں اہل بدر تھے جن کی تنخواہیں سالانہ پانچ ہزار درہم تھیں۔ حضرت عمرؓ بھی چونکہ بدری تھے اس لیے یہی تنخواہ ان کی بھی تھی۔ پھر شرکا جنگ اُحد تھے جو چار ہزار درہم پاتے تھے اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہوتے ہوتے معمولی سپاہی کی تنخواہ دو سو سے تین سو تک درہم سالانہ تک تھی۔ تنخواہوں میں اضافے بھی ہوتے تھے۔

مجاہدین کی اہل و عیال کی بھی تنخواہیں مقرر تھیں اور ان میں بھی مراتب کے لحاظ سے اختلاف تھا۔ البتہ غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں تھا جس طبقہ کا غلام ہوتا اسی طبقہ کے آقاؤں کی تنخواہ اس کو بھی دی جاتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں یہ اختلاف اٹھا دیا گیا اور کل مجاہدین کی تنخواہ خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں برابر کر دی گئی۔

عہد فاروقی میں دمشق، حمص، فلسطین اردن موصل فسطاط، بصرہ اور کوفہ صدر فوجی مقامات قرار دئیے گئے۔ ان میں کثیر التعداد فوجیں رکھی جاتی تھیں۔ نیز ان آٹھوں مقامات پر چار چار ہزار گھوڑے ہمیشہ تیار رہتے تھے کہ فوری ضرورت پر رسالے مرتب ہو سکیں۔ سرحدوں پر خاص کر شام اور مصر کے سواحل پر حفاظت

کے لئے فوجی دستے رہتے تھے جو بیشتر اس نواح کے صدر مقام سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔ سپاہیوں کو بقدر ضرورت سامان خوراک دیا جاتا تھا اور چھاؤنیوں میں رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔

فوج میں تمام عربی قبائل کے لوگوں کے نام مندرج کئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر اقوام کے مسلمانوں کے نام بھی مندرج ہوتے تھے۔ ہر دس آدمیوں پر ایک عریف ہوتا تھا جو ان کی شناخت رکھتا تھا اور ان کو تنخواہ دلاتا تھا۔

ہر سال تقریباً تیس ہزار جدید فوج بھرتی ہوتی تھی اور یہ سارا انتظام اس قدر مرتب تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ بوقت ضرورت کوئی شخص اپنے گھر بیٹھا رہے اور خلیفہ کو اس کا علم نہ ہو جائے۔ حضرت عمر ایسے لوگوں کو قبیلہ کی مسجد یا مجمع عام میں کھڑا کر کے یہ کہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے جہاد سے جان چرائی یہ سزا ان کے لئے قتل سے بھی بڑھکر تھی کیونکہ عرب کے نزدیک بزدلی سے زیادہ کوئی بدنامی نہیں تھی۔

فوج کے ساتھ قاضی، محلم، ترجمان اور معالج وغیرہ بھی رکھے جاتے تھے۔ نیز راستہ نکالنے اور پل باندھنے کا سامان بھی رہتا تھا۔ خلیفہ کا حکم تھا کہ فوج سفر میں ہو تو جمعہ کے دن ضرور قیام کرے تاکہ لوگ تازہ دم ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ ہر روز صرف اتنی ہی مسافت طے کریں کہ ماندہ نہ ہونے پائیں۔ ان سپاہیوں کو جو کسی مہم پر بھیجے جاتے تھے بیشتر چار مہینے کے بعد گھر آنے کے لئے ایک مدت معینہ کی رخصت ملتی تھی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہ کے مشورہ سے بحری فوج بھی تیار کی گئی۔ اور مسلمانوں کے پاس سمندر میں ایسی قوت ہوگئی کہ کئی بار رومیوں کو شکست دی اور جزیرہ قبرص وغیرہ فتح کر لیا۔

عربوں میں جنگ کا پُرانا دستور یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بندی کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک یا دو دو آدمی نکلکر لڑتے تھے اس کے بعد عام حملہ کرتے تھے۔ پھر بھاگتے تھے اور پھر پلٹتے تھے۔ چونکہ متمدن اقوام کے مقابلہ میں یہ طریق جنگ کارآمد نہ تھا۔ اس لئے حضرت خالد نے جو ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ان کے اصول جنگ اور صف آرائی کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے انکو چھوڑ کر جنگ یرموک میں انہی کی روش کے مطابق اپنی فوجوں کو مرتب کیا۔ اس وقت سے تمام اسلامی امراء انہی اصولوں پر فوجوں کو ترتیب دینے لگے سب سے پہلے مقدمہ لشکر ہوتا تھا جو جنگ شروع کرتا تھا دائیں میمنہ بائیں میسرہ اور بیچ میں قلب جہاں سر لشکر رہتا تھا پیچھے ساقہ ان میں سے بھی ہر ایک حصہ مختلف دستوں میں تقسیم رہتا تھا اور انکے الگ اُمراء ہوتے تھے جو سپہ سالار کے حکم کیمطابق اپنے دستے کو حرکت میں لاتے تھے کوئی سپاہی اپنی صف سے آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔

عربی اُمراء اپنے خطِ رجعت کی حفاظت کا خاص اہتمام رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آ پڑے اور جاسوسی کا انتظام اس قدر مکمل رکھتے تھے کہ غنیم کی کوئی بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی

محاصل: حضرت عمرؓ کے عہد سے صیغہ خراج کے عمال جداگانہ مقرر کئے جانے لگے جو رقم

وصول ہوتی تھی اس سے فوج کی تنخواہ اور محکمے کے اخراجات ادا کئے جاتے تھے۔ باقی دارالخلافہ میں بھیجدی جاتی تھی محصول کی دو قسمیں تھیں مستقل اور غیر مستقل مستقل آمدنی خراج۔ زکوٰۃ اور جزیہ تھی اور غیر مستقل غنیمت اور عشور۔

خراج: اس زمین کے لگان کا نام ہے جسکو مسلمانوں نے فتح کر کے خود وہاں کے باشندوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہو۔ یہ لگان اس زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ کبھی رقم معین کر دی جاتی تھی اور کبھی پیداوار کا کوئی حصّہ لیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ: اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی زمین یا مویشی یا نقدی وغیرہ پر لیا جاتا ہے جس کی تصریح کتب فقہ میں کر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کے پاس جو زمین ہوتی تھی اس پر عُشر لیا جاتا تھا یعنی ہر فصل کی پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر خراجی زمین ان کے قبضہ میں آجاتی تھی تو اس پر اُن سے وہی خراجی لگان لیا جاتا تھا۔

عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن حنیف جو مساحت کے کام سے واقف تھے عراق کی پیمائش کے لئے بھیجے گئے۔ انھوں نے کل عراق کی پیمائش کی حضرت عمرؓ نے تشخیص لگان میں خود عراق کے کاشتکاروں سے مشورہ لیکر لیاقت وار خفیف شرح مقرر کی۔

جزیہ: وہ رقم تھی جو اہل ذمہ سے لی جاتی تھی۔ یہ صرف ان مردوں سے وصول کیجاتی تھی جو بیس برس سے پچاس برس کی عمر تک کے ہوتے تھے بشرطیکہ وہ اپاہج اور معذور نہ ہوں۔ بوڑھے بچے اور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اس کی شرح اشخاص کی حالت کے مطابق رکھی جاتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور کم سے کم ۱۲ درہم۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں زکوٰۃ کا نکالنا خود مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا حالانکہ اسکی تحصیل خود امام کا فرض تھا

عشور: مسلمان تاجر جب دوسری سلطنتوں میں اپنا مال لیجاتے تھے تو وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی۔ ابو موسیٰ اشعری نے اسکی کیفیت سے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ جس حساب سے غیر سلطنتیں ہمارے تاجروں سے چنگی وصول کریں اسی حساب سے تم انکے تاجروں سے لو لیکن دو سو درہم سے کم کے مال پر کچھ نہ لیا جائے۔

زیاد بن حدیر اس صیغہ کے نگراں مقرر کئے گئے ایک بار قبیلہ بنی تغلب کا ایک نصرانی تاجر گھوڑا لیکر آیا جسکی قیمت بیس ہزار درہم تھی، زیاد نے اس سے ایکہزار درہم چنگی لی اسی سال وہ دوبارہ اسی گھوڑے کو لیکر گذرا تو پھر انھوں نے ایکہزار درہم طلب کئے۔ اس نے کہا کہ ایکبار اسکی چنگی آپ لے چکے ہیں اب ہر بار میں کہاں تک ادا کرونگا لیکن زیاد نے اسکو گذرنے نہیں دیا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لایا۔ حج کے موقعہ پر مکہ میں جاکر ان سے ملا اور اپنا معاملہ سنایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں بندوبست کرونگا۔ تغلبی نے اس کو ایک سرسری بات سمجھا اور دل میں کہا کہ ایکہزار درہم پھر دینا ہوگا لیکن جس وقت سرحد پر آیا تو وہاں خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا کہ جس چیز پر ایکبار عشور لے لیا جائے سال آئندہ کی اسی تاریخ تک اس پر کچھ نہ لیا جائے وہ اس سے اسقدر خوش ہوا کہ زیاد سے کہا کہ میں دل میں طے کر کے آیا تھا کہ ایکہزار درہم ادا کر دونگا۔ اب اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے یہ حکم بھیجا ہے۔

مسلمانوں کے مال تجارت پر چنگی بقدر زکوٰۃ کے رکھی گئی یعنی چالیسواں حصہ ذمیوں

پر اس سے دو نی اور اہل حرب پر دہ یک۔

غنیمت مال وہ ہے جو فوج کو دشمنوں سے حاصل ہوتا تھا۔ اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کئے جاتے تھے اور ایک حصہ بیت المال میں آتا تھا۔

اس زمانہ کی مالیہ کی کل میزان کا پتہ نہیں لگ سکا صرف عراق اور مصر کی وصولی معلوم ہوتی ہے عہد فاروقی میں عراق سے ۱۰ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم سالانہ کی آمدنی تھی اور مصر سے ۱۲ کروڑ درہم کی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصر کی وصولی میں دو کروڑ درہم کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اخراجات محاصل کے مطابق رکھے جاتے تھے اور خزانہ میں کوئی توفیر نہیں رہتی تھی۔

نماز۔ اقامت صلوٰۃ خلیفہ کے فرائض میں داخل تھی وہ خود نماز پڑھاتا تھا یا کسی کو اپنا نائب مقرر کر دیتا تھا ہر ہر شہر میں صرف ایک ہی جامع مسجد ہوتی تھی جس میں خلیفہ یا والی جمعہ پڑھاتا تھا بجز جامع مسجد کے دوسری مسجدوں میں منبر نہیں بنائے جاتے تھے۔

حج: اسلام کا ایک عظیم الشان رکن حج ہے جسمیں حکم ہے کہ اطراف عالم سے مسلمان آکر عرفات میں جمع ہوں۔ اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ چند مقررہ دنوں تک اللہ کا ذکر کریں اور اس کے نام پر قربانیاں چڑھائیں اور آپس میں تعارف اور تعلق بڑھائیں اور ان کو یہ علم ہو کہ وہ اپنے غیر ممالک کے مسلمان بھائیوں سے کیا مدد لے سکتے ہیں یا کس طرح انکی امداد کر سکتے ہیں علاوہ بریں خلفاء و امراء ملکی اور انتظامی معاملات میں باہم مشورہ کریں اور رعایا کی شکایتیں سنیں اور ضرورتیں انکو معلوم ہوں اس طرح حج میں دینی اور اخروی فائدوں کے علاوہ دنیاوی اور ملکی منافع بھی بیشمار ہیں اور حرم مسلمانوں کا صرف دینی و مذہبی ہی نہیں بلکہ قومی و ملی مرکز بھی ہے۔

خلافت راشدہ میں امرائے ممالک حج کے موقع پر مکہ میں آتے تھے بیشتر خود خلیفہ وقت امیر الحجاج ہوتا تھا اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تھا تو اپنے بجائے کسی کو قائمقام کر کے بھیجتا تھا حضرت ابوبکر اپنے عہد خلافت میں ایک بار خود تشریف لائے تھے دوسری بار حضرت عثمان کو بھیجا تھا حضرت عمر اس کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے وہ ہر سال حج کو آتے رہے صرف اپنی خلافت کے پہلے سال خود نہ آسکے تھے اس لئے عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا تھا حضرت عثمان بھی بجز دو سال کے اپنے عہد خلافت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ رہے البتہ حضرت علی اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے اپنے عہد خلافت میں کبھی نہ آسکے لیکن نائب بھیجتے رہے۔

رفاہ عام حضرت عمر کے عہد میں مسجد حرم بڑھائی گئی انھوں نے بیت المقدس میں بھی مسجد تعمیر کرائی اسکے علاوہ کل ممالک اسلام میں انکے عہد میں تقریباً چار ہزار مسجدیں بنائی گئیں اسلامی مرکزوں میں امرائ اور عمال کیلئے مکانات، فوجی چھاؤنیاں، مہمان خانے دفاتر اور خزانے تعمیر ہوئے مدینہ سے مکہ تک کا راستہ انھوں نے درست کرایا اور اس میں جابجا سرائیں بنوادیں آبپاشی اور دیگر ضروریات کیلئے عراق میں متعدد نہریں دجلہ سے نکلوائیں جن میں سے نہر ابی موسیٰ اور نہر معقل خاص طور پر مشہور نہریں تھیں مصر میں دریائے نیل کو ستر میل کھدوا کر دریائے قلزم سے ملادیا تاکہ کشتیوں کے ذریعہ سے غلہ مدینہ تک آسکے اسی قدر فاصلہ بحر روم اور بحر قلزم میں تھا عمرو بن عاص والی مصر نے خواہش کی کہ ان دونوں سمندروں کو بھی ملادیں لیکن حضرت عمر نے اس خیال سے کہ رومی کشتیاں اس راستہ سے آکر عرب پر حملہ کرنے لگیں گی اجازت نہیں دی انکے حکم سے بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جزیرہ میں متعدد شہر بھی آباد کئے گئے۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں مسجد حرم اور مسجد نبوی میں اضافہ کیا گیا مدینہ اور کوفہ وغیرہ میں ضیافت خانے

قائم ہوئے اور جابجا راستے اور دریاؤں کے پل بنائے گئے۔ ملک شام میں جہازوں کی تعمیر کا کارخانہ قائم ہوا جہاں لبنان کے جنگلات سے درخت کاٹ کر پہنچائے جاتے تھے اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں۔

تعلیم | قرآن مجید عہد رسالت میں ۲۳ سال تک تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھواتے بھی تھے اور صحابہ کو زبانی یاد بھی کرا دیتے تھے چنانچہ آنحضرت نے انتقال فرمایا تو بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ اور سیکڑوں ایسے تھے جن کو زیادہ تر حصے یاد تھے۔ یہ لوگ حفاظ اور قرا کہے جاتے تھے۔

مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں تقریباً چار سو حفاظ اور قرا شہید ہو گئے اس وقت حضرت عمر نے سوچا کہ اگر اسی طرح حاملان قرآن ختم ہوتے چلے گئے تو قرآن کس طرح محفوظ رہے گا۔ اس لئے حضرت ابو بکر سے کہا کہ قرآن پورا ایک جگہ لکھکر محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے حضرت زید بن ثابت کو جو کاتب وحی تھے اور اسی سال رمضان میں آنحضرت کے ساتھ قرآن مجید کا آخری دور کر چکے تھے اس کام کیلئے منتخب فرمایا۔ حضرت زید نے ممتاز صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ملکر اسکی تمام سورتوں کو جو متفرق صحیفوں، تختیوں، کھجور کے پتوں اور اونٹ کی ہڈیوں پر لکھی ہوئی تھیں نہایت احتیاط کے ساتھ قرطاس پر لکھکر ایک شیرازہ میں جمع کر دیا۔ یہ مصحف ابو بکر کے پاس رکھ دیا گیا۔

حضرت عمر کے عہد خلافت میں جابجا معلمین مقرر کئے گئے کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور کتابت سکھائیں۔ بعض بعض اہل علم صحابہ قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے دیار و امصار میں بھیجے گئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں حذیفہ بن یمان نے جو آذربیجان کی لڑائی میں شریک تھے جب

نو مسلم اہل عجم کا قرآن سنا اور اس میں قرأت کے اختلافات دیکھے تو گھبرا کر عجلت کے ساتھ مدینہ میں آئے اور خلیفہ سے کہا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں اختلافات پیدا کر دیے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات نہ کر دیں ابھی وقت ہے جلد خبر لیجیے۔

حضرت عثمان نے وہی مصحف جو حضرت ابوبکر کے عہد میں لکھا گیا تھا اور جسکو حضرت عمر اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے حوالہ کر گئے تھے منگایا زید بن ثابت عبداللہ بن زبیر سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں زید بن ثابتؓ کے سوا باقی تینوں شخص قریش میں سے تھے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ اگر تم لوگوں میں کسی لفظ کی کتابت میں اختلاف واقع ہو تو قریش کی زبان کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ یہی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اسی میں قرآن مجید اترا ہے۔ جب ان لوگوں نے متعدد نسخے لکھ لئے تو ہر ہر صوبے میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم لکھا کہ اسی کے موافق قرأت رکھی جائے۔

اصل نسخہ ام المومنین حفصہ کے پاس واپس بھیج دیا۔

تعلیم قرآن و سنت کا سلسلہ عہد عثمانی میں بھی بدستور بلکہ زیادتی کے ساتھ جاری رہا معلمین کو ہدایت ہوتی تھی کہ وہ صحت اعراب کا لحاظ رکھیں علاوہ بریں قرآن سمجھنے کیلئے عربی اشعار اور لغات کی بھی تعلیم دیں ان کے عہد میں تفقہ قرآنی اور استنباط مسائل کا طریقہ لوگ مستند اور ممتاز صحابہ سے سیکھتے تھے

سکے عرب میں اسلام سے قبل سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول کے وقت میں یہی سکے چلتے تھے جب ایران فتح ہو گیا تو ۱۸ھ میں حضرت عمر کے حکم سے ایرانی سکے کے نمونے پر مختلف وزن کے درہم ڈھالے گئے نقش میں تبدیلی

کرو بخی، کسی پر الحمد للہ کسی پر لا الہ الا اللہ کسی پر محمد رسول اللہ اور کسی پر صرف عمر تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں جو درہم ڈھالے گئے ان کا نقش "اللہ اکبر" تھا۔

اشاعت اسلام | خلافت راشدہ میں عموماً ہر مسلمان تعلیم نبوی کا صحیح نمونہ اور پیکر اسلام تھا اس لئے جہاں جہاں اہل اسلام پہنچتے تھے لوگ نہ صرف ان کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے بلکہ ان کے خلوص کو دیکھ کر اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ شام، مصر، عراق، ایران کے باشندوں نے جب ان کے تقویٰ، نیکی، وفاداری، حسن معاملات اور سب سے بڑھ کر مخلوق کی ہمدردی کو دیکھا تو دین اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو کر اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔

جنگ شام میں دمشق کا بطریق خود حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کے اثر میں تھے سب مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح مصر کا ایک رئیس شیطلا پہلے ہی سے اسلام کا گرویدہ تھا جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو وہ مع دو ہزار آدمیوں کے اسلام لایا۔

عراقی رئیسوں اور ایرانی مرزبانوں نے بھی تیزی سے اسلام کی طرف قدم بڑھایا قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلمی ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔ جلولا کی فتح کے بعد وہاں کے اکثر رؤسا اسلام لائے۔ حضرت عثمان کے عہد میں خراسان میں خاندان کے خاندان مسلمان ہونے لگے۔ اسی طرح افریقہ میں سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا۔

الغرض یہ مسلمانوں کے خلوص اور ان کے اسلامی صفات کا اثر تھا کہ جہاں جہاں وہ گئے ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ اس دین حق کے نور سے منور ہوتے چلے گئے۔

(تمام شد)

ald - عارفہ خاتون

باسمہ تعالیٰ

تاریخ الامت

جلد دوم

(دوسرا ایڈیشن)

خلافتِ راشدہ

علامہ اسلم جیراجپوری رح

ائع کردہ:- ادارہ طلوع اسلام - ۲۵ - بی. گلبرگ — لاہور

ے کا پتہ:- میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ - ۲۷ - بی. شاہ عالم مارکیٹ. لاہور

اتحاد پریس کپل روڈ لاہور